

اُصولُ الغزوِ الفکری

یعنی

نظریاتی جنگ کے اُصول

تالیف

مولانا اسماعیل ریحان صاحب

اُستاذ الغز والفکری و تاریخ الاسلام

کلیة الشریعة، جامعة الرشید، کراچی

مکتبہ حکیم الامت

کمرشل ایریا، ناظم آباد ۲، کراچی

نام کتاب : اصول الغزو الفکری یعنی نظریاتی جنگ کے اصول

مؤلف : مولانا اسماعیل ریحان صاحب

تاریخ اشاعت : شوال ۱۴۳۱ھ بمطابق ستمبر 2010ء

تعداد : 1000

طابع : ادارہ طباعت، ناظم آباد نمبر 2، کراچی۔
موبائل: 0333-2136180

باہتمام : ابو عبد الرحمٰن

مکتبہ حکیم الامت

کمرشل ایریا، ناظم آباد نمبر ۲، کراچی

Karachi Ph: 021-32004126 Cell: 0333-2136180
Lahore Ph: 042-37232196 Cell : 0300-4003078
Email: mhakimulummat@hotmail.com

ترتیب

☆ فہرست 1

☆ پیش لفظ 3

مقدمہ: 4

☆ تعارف 4

☆ فکری ونظریاتی جنگوں کی تاریخ 7

☆ صلیبی جنگیں 10

حصہ اوّل: فکری ونظریاتی جنگ کے محاذ 14

☆ ألاستشراق 15

☆ ألاستعمار 29

☆ ألعولمة (عالمگیریت) 38

☆ ألتنصير (الرّدة) 44

☆ اَفكار الغزو الفكری 51

ترتیب

☆ ألعلمانية (سیکولرازم) 51

☆ ألتغريب (ماڈرن ازم) 52

☆ وسائل الغزو الفکری 53

☆ کیف نقاوم الغزو الفکری (مقابلہ کیسے کیا جائے؟) 62

حصّۂ دوم: مذاہب ونظریات 66

☆ مذاہب: ہندومت 67

☆ بدھ مت 75

☆ یہودیت 77

☆ نصرانیت 97

☆ نظریات: مادّی فلسفے کا حملہ 107

☆ مغرب کے تیار کردہ متبادل نظام زندگی 114

☆ سرمایہ داری اور سوشلزم 118

☆ مراجع 124

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیش لفظ

اِس وقت مسلمانوں کو اہل باطل کی جانب سے ایک ہمہ گیر اور نہایت تند و تیز فکری ونظریاتی یلغار کا سامنا ہے۔اس یلغار کے مقابلے کے لیے ''الغزو الفکری'' کو دینی وعصری درسگاہوں کے نصاب میں شامل کرنا ازحد ضروری ہو چکا ہے۔

بعض تعلیم گاہوں کی انتظامیہ نے اس ضرورت کو محسوس کر بھی لیا ہے مگر اس فن پر نصابی کتب کی کمیابی بلکہ اُردو زبان میں نایابی نے اِس کام کو مشکل بنا دیا ہے۔اس فن سے مناسبت رکھنے والے اَساتذہ بھی بہت کم ہیں، پھر جب طلبہ کو یہ مضمون پڑھایا جاتا ہے تو کوئی مناسب متن سامنے نہ ہونے کی وجہ سے وہ اُلجھ جاتے ہیں۔راقم کی کوشش ہے کہ یہ کام آسان سے آسان تر ہو جائے۔اس مقصد کے لیے ''اُصول الغزو الفکری'' کے عنوان سے اِس علم کے اَہم مباحث کو مختصر طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔درحقیقت یہ اس موضوع پر تحریر کردہ درجنوں تصانیف کا خلاصہ ہے جس میں پاک و ہند کے پس منظر کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔

ایک بار طلبہ کے ذہن میں اس علم کی اصطلاحات کا خاکہ بن جائے تو وہ تفصیلی مباحث کو مطالعے کے ذریعے سمجھ سکتے ہیں۔اس متن کو پڑھاتے ہوئے اَساتذۂ کرام راقم الحروف کی تألیفات ''ساحات الغزو الفکری'' اور ''تعابین الغزو الفکری'' کو سامنے رکھیں تو اِن شاء اللہ بہت سہولت محسوس کریں گے۔اِس کے علاوہ مآخذ اور مراجع میں جن کتب کا ذکر کیا گیا ہے انہیں ساتھ ساتھ دیکھا جائے تو طلبہ کو بتانے اور سمجھانے کے لیے بے شمار مثالیں مل جائیں گی۔اسلامی صحافت کے محاذ سے شائع کیے جانے والے معیاری اخبارات ورسائل کے مضامین خصوصاً ادارتی صفحات کے کالموں سے بھی نظر و فکر کا دائرہ وسیع کرنے میں مدد ملتی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کاوش کو قبول عام بخشے اور دینی مدارس اور عصری تعلیم گاہوں میں ''الغزو الفکری'' پڑھانے کا رواج عام ہو جائے تاکہ ہمارے طلبہ فکری ونظریاتی محاذوں پر اسلام کے زیادہ مستعد سپاہی ثابت ہو سکیں۔

محمد اسمٰعیل ریحان، کراچی

۲۰ شعبان ۱۴۳۱ھ۔۳۱ جولائی ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الغزو الفکری کا تعارف
(Ideological War)

دُنیا میں جنگ کے دو طریقے مروّج رہے ہیں۔ایک جنگ وہ ہے جو فوج، اسلحے اور خطرناک ہتھیاروں کے ساتھ لڑی جاتی ہے، دوسری جنگ وہ ہے جس میں خونریزی نہیں ہوتی مگر عقائد ونظریات پر حملہ کیا جاتا ہے۔ جنگ کی اس دوسری قسم کو الغزو الفکری (فکری ونظریاتی جنگ) کہا جاتا ہے۔

الغزو الفکری کی تعریف (Definition)

"ھو الغزو بالوسائل الغیر العسکریة"

"یہ ایک ایسی جنگ ہے جو روایتی ہتھیاروں کو چھوڑ کر دیگر وسائل سے لڑی جاتی ہے۔"

دوسری تعریف:

"ھو أسلوب جدید للغزو ضدّ المسلمین بعد ھزائم متکررہ"

(مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑنے کا جدید اَنداز جسے مسلسل شکستوں کے بعد اختیار کیا گیا۔)

الغزو الفکری کا مقصد :

کسی قوم کو ذہنی وشعوری طور پر مُردہ کر کے اُسے اپنے سانچے میں ڈھال لینا اَعدائے اسلام کا اصل ہدف ہے۔

الغزو الفکری سے ہمارا مقصد:

پہلے مرحلے میں ہمارا ہدف اوّلاً اپنا دفاع ہے۔ دوسرے مرحلے میں حریف کے خلاف

جوابی کارروائی بھی کرسکیں گے۔

علم الغزو الفکری کی تعریف:

''یہ وہ علم ہے جس میں حریف کی فکری ونظریاتی یلغار کے طریقہ کار کا گہرائی سے جائزہ لیا جاتا ہے، اس سے اپنے دفاع کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے اور حریف کو مؤثر جواب دینے کے طریقوں پر غور کیا جاتا ہے۔''

علمُ الغزو الفکری کا موضوع:

''اس علم کا موضوع وہ اسباب، ذرائع اور وسائل ہیں جن سے کسی قوم کے اُفکار و نظریات کو تبدیل کیا جائے۔

علم الغزو الفکری کی غرض و غایت:

اس علم کے حصول کا مقصد اپنے عقائد ونظریات ،قومی تشخص اور تہذیب وتمدُّن کو محفوظ رکھتے ہوئے دیگر اقوام پر فکری ونظریاتی غلبہ حاصل کرنا ہے۔

علم الغزوالفکری کی اَہمیت:

دورِ حاضر میں تمام عالمی طاقتیں مجتمع ہوکر اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ مسلمانوں پر عسکری ونظریاتی دونوں میدانوں میں حملہ آور ہیں لہٰذا مسلمانوں کو اس علم کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی اپنی حفاظت کے لیے ہتھیاروں اور فوج کی۔

عسکری اورنظریاتی جنگ میں فرق:

عسکری اور نظریاتی جنگ میں کئی وجوہ سے بڑا فرق ہے:

☆ عسکری جنگ میں دشمن جانا پہچانا اور سامنے ہوتا ہے۔نظریاتی جنگ میں دشمن نامعلوم ہوتا ہے جو چھپ کر حملہ کرتا ہے۔☆عسکری جنگ میں دشمن کے اہداف معلوم ہوتے ہیں۔نظریاتی جنگ میں عموماً اہداف نظروں سے اُوجھل ہوتے ہیں۔

☆عسکری جنگ میں حملہ اجسام، عمارات اور فوجی اہداف پر ہوتا ہے، نقصان صرف مادی ہوتا ہے۔ نظریاتی جنگ میں حملہ اذہان، قلوب، اور خیالات پر ہوتا ہے۔ نقصان مذہبی اور نظریاتی ہوتا ہے جس کے بعد مادی نقصان بھی ضرور ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ نظریاتی جنگ (الغزو الفکری) عسکری جنگ سے زیادہ مؤثر، مہلک اور کارگر ہے۔

☆☆☆

فکری ونظریاتی جنگوں کی تاریخ

تاریخ الغزو الفکری

History of Ideological war

فکری ونظریاتی جنگ اتنی ہی قدیم ہے جتنی حق وباطل کی کشمکش۔ بندگانِ خدا کوراہِ مولا سے ہٹانے کی سازشیں پیدائشِ آدم کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھیں۔ تمام انبیاء کے مخالفین ان کی دعوت کے مقابلے میں مختلف ذہنی اورنظریاتی حربے اور ہتھکنڈے آزماتے رہے تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی تو اس کشمکش نے ایک بھرپور مقابلے کی شکل اختیار کر لی۔ مکی دور میں کفار کی مذموم کوششوں میں درج ذیل اقدامات شامل تھے:

مخالفین کی مجلس مشاورت کا قیام، پیامِ حق میں وساوس وشبہات پیدا کرنا، تاویلات فاسدہ، جھوٹے پروپگینڈے، طعنے، استہزاء، القابِ رذیلہ کی تشہیر، حوصلہ شکن بیانات، عجیب وغریب مطالبے کرنا، مسلمانوں کو ذہنی اور جسمانی اذیتیں پہنچانا، خاندانی دباؤ اور دھمکیاں، سرداری، مال ودولت اور حسین عورتوں کا لالچ، سمجھوتے کا جھانسا، سماجی بائیکاٹ، پروپگینڈا اور شورشرابا، جلاوطنی۔

غور کیا جائے تو ہر دور میں باطل مکروفریب اور ایذاء کے یہی داؤپیچ نت نئی شکلوں میں آزماتا آیا ہے۔

مسلمانوں کا دفاعی اور جوابی لائحہ عمل تین حصوں پر مشتمل تھا۔

(۱) خالق سے تعلق (۲) مخلوق کی خیرخواہی (۳) اپنی علمی وعملی تربیت

مدنی دور میں کفار کی جانب سے الغزوالفکری کی چارصورتوں کا ثبوت ملتا ہے:

ا۔ ذرائع ابلاغ کا استعمال اشعار اور تقاریر، ۲۔ مباحثے، ۳۔ منافقت، ۴۔ جاسوسی۔

مسلمانوں نے بھی حربوں کا جواب اسی انداز میں دیا۔

دورِ خلافت راشدہ میں نظریاتی جنگ:

اسلام کے خلاف نظریاتی وفکری جنگ کا آغاز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر استقامت، توکل اور ایمانی جذبے کی حیرت انگیز مثال پیش کرتے ہوئے ان تمام فتنوں کو نہایت مختصر مدت میں نمٹا دیا۔ دورِ فاروقی میں دشمنانِ اسلام کسی بھی رُخ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد دورِ عثمانی میں مجوسیت اور یہودیت نے اشتراک کر لیا جس کے نتیجے میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کی گئی اور وہ گمراہ لوگوں کے حملے میں شہید ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں انہی سازشوں کی وجہ سے جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے سانحے پیش آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جانشین حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے تدبّر کی بدولت مسلمان پھر ایک خلیفہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر متفق ہوئے اور فتوحات کا نیا دور شروع ہوا۔

بنو اُمیہ اور بنو عباس کے دور میں:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں ایک سازش کے تحت شہید کر دیا گیا اور مسلمان زبردست خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ گئے۔

بنو اُمیہ کے دور میں قرآن مجید، سیرت اور احادیث کے بارے میں عیسائی پادریوں کے اعتراضات بھی سامنے آتے رہے مگر ان سے مسلمان قطعاً متاثر نہ ہوئے۔

بنو عباس کے دور میں شرعی علوم پر عقلی علوم کا حملہ ہوا۔ مامون نے کتبِ فلاسفہ کے ذخائر یونان سے بغداد منگوا کر سرکاری سرپرستی میں ان کی اشاعت کی۔ جس سے مسلمان اہلِ علم کا ایک بڑا طبقہ یونانی فلسفے سے متاثر ہو کر گمراہ ہو گیا اور معتزلی گروہ پیدا ہوا۔ مگر امام

احمد بن حنبل، امام ابوالحسن الاشعری اورامام غزالی جیسے بزرگوں نے بڑی پامردی سے اس فتنے کا مقابلہ کیا اور عقلیت پسندوں کو میدان سے پسپا کردیا۔

نظریاتی حملہ آوروں کی ناکامی کی وجوہ:

اس تمام مدت میں نظریاتی حملہ آور عمومی طور پر ناکام رہے۔ مسلمانوں کے اس کامیاب دفاع کی اہم وجوہ یہ تھیں:

(۱) مسلمانوں کا اللہ ورسول اور قرآن وسنت سے رشتہ مضبوط تھا۔

(۲) نظریاتی حملہ آور علمی طور پر خود کمزور تھے جبکہ مسلمانوں میں علم کی گہرائی تھی۔

(۳) مسلمانوں کو سیاسی غلبہ حاصل تھا۔

(۴) اس دور میں مسلم حکمران خود دینی حمیت سے آراستہ اور اپنے دین وایمان کے بارے میں بے حد حساس تھے۔

(۵) مسلمانوں کے اخلاق وکردار سے خود حملہ آور متأثر ہوکر بسااوقات مشرف بااسلام ہوجاتے تھے۔

☆☆☆

صلیبی جنگیں

الحروب الصلیبیه (Crusade)

موجودہ الغزو الفکری کے تانے بانے پانچویں صدی ہجری (گیارہویں صدی عیسوی) میں شروع ہونے والی صلیبی جنگوں سے جا ملتے ہیں۔

تعریف: ’’ ألحروب الصليبية ألتى دعا أليها رجال دين النصارٰى والقساوسة ضد المسلمين بأسم الصليب وتحت رأيته‘‘.

’’صلیبی جنگیں وہ ہیں جن کی دعوت نصرانیوں کے مذہبی پیشوا اور علماء دیتے ہیں اور یہ جنگیں صلیب کے نام پر صلیبی پرچم تلے لڑی جاتی ہیں۔‘‘

صلیبی جنگوں کا دور:

یہ جنگیں باقاعدہ طور پر سن ۴۸۹ھ میں شروع ہوئیں اور ان کا اختتام ۶۹۰ھ میں ہوا اس طرح یہ دو صدیوں پر محیط ہیں۔

صلیبی جنگوں کے اہداف و مقاصد:

یورپی لیڈروں کے ذہنوں میں اس جنگ کے درج ذیل مقاصد تھے۔

(۱) ایشیائی مسلم ممالک پر قبضہ کرنا۔

(۲) القدس کی بازیابی۔

(۳) مسلمانوں سے گزشتہ صدیوں کی شکستوں کا انتقام۔

عیسائی پادریوں نے اپنی قوم کو اشتعال دلانے کے لیے یہ پروپیگنڈا کیا کہ مسلمان القدس میں ہمارے مقدس مقامات کی توہین اور یورپی زائرین پر ظلم کر رہے ہیں۔ راہب پیٹر (پطرس) نے القدس کی زیارت سے یورپ واپس جا کر اپنی اشتعال انگیز تقاریر سے

یورپ میں ایک آگ سی لگادی ۔ 15 اگست 1085ء کو پوپ اربن نے وینس (Venice) کے مقام پر پہلی صلیبی جنگ کا اعلان کیا۔

پہلی صلیبی جنگ:

دس لاکھ صلیبیوں نے فرانس کے حاکم گاڈفرے کی قیادت میں شعبان ۴۹۲ھ (جولائی ۱۰۹۹ء) میں ارض مقدس پر پرچم صلیب لہرادیا۔ ستر ہزار مسلمان صرف مسجد اقصٰی میں شہید کیے گئے جن کے خون میں عیسائی فاتحین کے گھوڑے گھٹنوں تک ڈوبے ہوئے تھے۔

عمادالدین زنگی:

بیت المقدس کے سقوط کے ۲۶ سال بعد ۵۱۸ھ (۱۱۲۴ء) میں عمادالدین زنگی نامی ایک غیر معروف سپاہی واسط اور بصرہ کا جاگیر دار بنا۔ اس کی فتوحات سے مدتوں بعد صلیبیوں کی قوت پر پہلی ضرب لگی اور وہ زنگی کی فتوحات سے خوفزدہ ہوگئے۔

نورالدین زنگی اور دوسری صلیبی جنگ:

عمادالدین زنگی کے بیٹے سلطان نورالدین زنگی نے اپنے باپ کے شروع کردہ سلسلہ جہاد کو جاری رکھا۔ زنگی خاندان کی فتوحات کی روک تھام کے لیے ایک بار پھر صلیبی جنگ چھیڑی گئی۔ ۵۴۲ھ (۱۱۴۸ء) میں کئی لاکھ جرمن اور فرانسیسی سپاہیوں نے سینٹ برنارڈ لوئی ھفتم کی قیادت میں شام پر حملہ کیا مگر ۵۴۴ھ (۱۱۴۹ء) میں مرعوب ہوکر پسپا ہوگئے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اور تیسری صلیبی جنگ:

سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر اور شام کو متحد کرنے کے بعد ربیع الثانی ۵۸۳ھ میں حطین کا معرکہ لڑکر شام کے عیسائیوں کی طاقت کو فنا کردیا اور ۲۷ رجب ۵۸۳ھ (ستمبر ۱۱۸۷ء) کو بیت المقدس فتح کرلیا۔ اس پر یورپی ممالک نے ۵۸۵ھ (۱۱۸۹ء) میں

فلسطین پر حملہ کر دیا، یہ تیسری صلیبی جنگ چار سال تک جاری رہی۔ شعبان ۵۸۸ھ (ستمبر ۱۱۹۲ء) میں صلیبی شکست کھا کر ناکام لوٹ گئے۔

چوتھی صلیبی جنگ:

جرمن حکمران ہنری ششم چوتھی صلیبی جنگ کا علم اُٹھا کر ۵۹۱ھ (۱۱۹۵ء) میں شام پر حملہ آور ہوا مگر عکا پہنچ کر مر گیا اور یہ مہم بالکل ناکام رہی۔

پانچویں صلیبی جنگ:

۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں پھر صلیبی جنگ چھڑی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھتیجوں نے مل کر زبردست معرکوں کے بعد صلیبیوں کو عبرتناک شکست دی۔

چھٹی صلیبی جنگ۔ القدس جرمنوں کے حوالے:

چھٹی صلیبی جنگ ۶۲۴ھ (۱۲۲۸ء) میں ہوئی جس میں شاہِ جرمنی فریڈرک دوئم کی قیادت میں فوج کشی ہوئی۔ اس بار مسلمان مرعوب ہو گئے اور القدس کو ایک معاہدے کے تحت خاص مدت تک کے لیے جرمنوں کے حوالے کر دیا گیا۔ ۶۴۲ھ (۱۲۴۴ء) میں الملک الصالح نے خوارزمی سپاہیوں کے ساتھ مل کر القدس کو سلطان ایوبی کی امانت مسلمانوں کو واپس دلا دی۔

سلطان بیبرس اور ساتویں صلیبی جنگ:

فرانس کے بادشاہ ''سینٹ لوئیس'' نے پاپائے روم کی ترغیب پر **1248ء** میں ساتویں صلیبی جنگ کا علم بلند کیا مگر ۲ محرم ۶۴۸ھ (**6 اپریل 1250ء**) کو منصورہ کے مقام پر شکست کھا کر قیدی بن گیا۔ چار سال بعد وہ وطن واپس گیا۔

آٹھویں صلیبی جنگ:

اٹھارہ برس بعد ٦٦٨ھ (جولائی 1270ء) میں سینٹ لوئس نے ایک بار پھر حملہ کیا مگر محاصرے کے دوران بیمار پڑ کر مر گیا۔ اس مہم پر صلیبی جنگوں کا سلسلہ اختتام پذیر ہوگیا۔ ٦٩٠ھ (١٢٩١ء) میں شاہِ مصر الملک الخلیل نے پورے شام سے عیسائی ریاستوں کا خاتمہ کر دیا اس طرح پانچویں صدی ہجری کے کروسیڈ کی باقیات کا نام ونشان تک مٹ گیا۔

سینٹ لوئیس، یورپ میں الغزو الفکری کا بانی:

سینٹ لوئیس مرنے سے قبل مسلسل شکستوں کی وجہ سے یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ مسلمانوں پر قابو پانے کے لیے ان پر فکری یلغار اور اس کے لیے علمی ترقی اور تیاری بے حد ضروری ہے۔ اُس نے اپنے وصیت نامے میں مسلمانوں کے خلاف کامیابی کے لیے چار باتوں کی سفارش کی:

☆ مسلمان حکام میں پھوٹ ڈالنا۔

☆ ان میں پختہ عقیدے اور مضبوط ایمان والے کسی گروہ کو پنپنے نہ دینا۔

☆ مسلم معاشرے کو فحاشی، اخلاق باختگی اور مالی بدعنوانی کے ذریعے کمزور بنانا۔

☆ غزہ سے انطاکیہ تک ایک وسیع متحدہ یورپی حکومت قائم کرنا۔ (یہ علاقہ موجودہ فلسطین، اسرائیل اور شام پر مشتمل ہے۔)

صلیبی جنگوں کے نتائج سے یورپ کی فکر تبدیل ہوئی۔ مسلمانوں سے فکری محاذ پر لڑنے کے لیے علمی ہتھیار تیار کیے جانے لگے اور موجودہ الغزو الفکری کی بنیاد پڑی۔

☆☆☆

حصہ اوّل

فکری ونظریاتی جنگ کے محاذ

ساحات الغزو الفکری

(Fields of Ideological War)

فکری ونظریاتی جنگ کے اہم ترین محاذ درج ذیل ہیں۔

(1) الاستشراق

(2) ألاستعمار

(3) ألعولمة/ عالمگیریت/ گلوبلائزیشن

(4) ألردّة/التنصیر

أَلساحة الاولیٰ

ألأستشراق

(Orientalism)

لغوی معنی:

استشراق شرق سے نکلا ہے، شرق یا Orient سے وہ علاقے مراد لیے جاتے ہیں جہاں سورج پہلے طلوع ہوتا ہے۔ اس سے مشرقی علاقوں کے علم وادب کی جستجو ہی مراد لی جاتی ہے۔

اہل یورپ کے ہاں مشرق دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پہلے معنیٰ کے لحاظ سے مشرق وہ تمام علاقے ہیں جو یورپ سے مشرق کی سمت ہیں۔ اس طرح اس مفہوم میں ایشیا کے تمام ممالک داخل ہوں گے۔

دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے بحیرہ روم کے پار کی دُنیا مشرق کہلاتی ہے، گویا ایشیا کے علاوہ یورپ کے جنوب میں واقع افریقہ بھی اس مفہوم میں شامل ہو جائے گا۔

استشراق کا اصطلاحی معنیٰ یا تعریف: (Difintion)

علمائے عرب استشراق کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

”دِرَاسَةُ الْغَرْبِیینَ لِلشَّرْقِ الإِسْلَامی حَضَارَتَهٗ وَ اَدیانَهٗ وَ آدَابَهٗ ولُغَاتَهٗ وتَارِیخَهٗ وَثَقَافَاتَهٗ وَعَادَاتِهٖ. “

(اَہل مغرب کا مشرقی اسلامی دُنیا کی تہذیب، مذاہب، اَدب، لغت، تاریخ، ثقافت اور عادات واطوار کی تعلیم حاصل کرنا۔)

المستشرقون: (Orietalist)

جولوگ استشراق کا کام کرتے ہیں انہیں مستشرق (Orienta ist) کہا جاتا ہے۔

مستشرق وہ مغربی دانشور ہیں جو مذہبی تعصب کی بناء پر علوم اسلامیہ کا مطالعہ کرتے ہیں تا کہ اسلام کے مصادر میں آمیزش کی جائے، اسلام کی روح کو متاثر کیا جائے اور اس کی شکل وصورت کو بگاڑ کر اس کی عظمتوں کو داغدار کیا جائے۔

تاریخ استشراق: (Histoy of Orientalism)

استشراق کی تاریخ کو ہم چار اَدوار میں تقسیم کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

پہلا دور: سن ۱ھ تا ۷۰۰ھ

یہ دور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے شروع ہو کر صلیبی جنگوں پر ختم ہوتا ہے۔ دورِ خلافت راشدہ اور اُموی دور میں یہودی علماء اور عیسائی پادریوں کی جانب سے دھیمے انداز میں اسلام پر اعتراضات کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس کوشش سے مسلمان قطعاً متأثر نہ ہوئے۔ اس دور میں غیر مسلموں نے طب، کیمیا، ریاضی، زراعت اور اَدب جیسے علوم میں مسلمانوں کی شاگردی اختیار کی۔ یورپ میں عالم اسلام کی بیسیوں منتخب کتب کے تراجم کیے گئے تھے۔ بوعلی سینا، جابر بن حیان، الفارابی اور ابن رشد کی کتب کو مقامی زبانوں میں ڈھالا گیا۔ اس دور میں پہلی بار فرانس، برطانیہ، اٹلی اور اسپین میں یونی ورسٹیوں کا آغاز ہوا جن میں مسیحی مذہب کے علاوہ قانون، طب اور آرٹ سمیت کئی علوم وفنون کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔

دوسرا دور......۱۳۰۰ء تا ۱۸۰۰ء

لوئیس نہم کی سوچ سے یورپ میں بیداری کا آغاز ہوا تو اہل علم اور ارباب حل وعقد علوم وفنون پر لگی گرہوں کو کھولنے کے لیے بے چین ہوئے۔

صلیبی جنگوں کے بعد 1312ء عیسوی میں یورپ کے اہل علم نے ایک کانفرنس میں یہ

طے کیا کہ مشرقی علوم کو اپنے تعلیمی اداروں کے نصاب میں شامل کیا جائے۔اس فیصلے کے تحت پانچ یورپی جامعات میں عربی واسلامی علوم کی تعلیم شروع کردی گئی۔پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی میں استشراق کا دائرہ کار تمام یورپ میں پھیل گیا۔سترہویں صدی عیسوی میں شاہِ فرانس لوئی چہاردہم نے مستشرقین سے عربی کتب کے تراجم کرائے اورعربوں کی تاریخ پر نئی کتابیں لکھوائیں جن میں عرب قومیت پرستی کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

اس دور کے بعض مستشرقین نے سابقہ مستشرقین کے کام پر تنقید بھی کی اور اسلام پر ان کے بعض شبہات کو کمزور قرار دیا مگر اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے خود اسلام پر کچھ نئے اعتراضات جڑ دیے۔

تیسرا دَور......۱۸۰۱ءتا۱۹۲۴ء

استشراق کا تیسرا دور وہ تھا جب یورپ کے لشکر اسلامی ممالک کو محکوم بنارہے تھے اس لیے مستشرقین نے یورپی سیاست دانوں کو محکوم قوموں کے علوم ،تاریخ ،جغرافیے ،شعر واَدب اورتہذیب وثقافت سے آگاہ کیا تاکہ ان قوموں کو زیر کیا جاسکے۔اُنہوں نے تاریخ اسلام کی جگہ تاریخ عرب کو متعارف کرایا۔غیرعربوں خصوصاًترکوں کی کردارکشی کی، استعمار کے خلاف لڑنے والے مجاہد قائدین کی تحقیر کی،احادیث اوررُوّاۃِ حدیث پر حملے کیے۔عالم اسلام کے مختلف فرقوں کے درمیان پائی جانے والی منافرت کو تیز تر کیا۔اس کے علاوہ ہزاروں اسلامی کتب کو یورپ کی تمام مشہور زبانوں میں منتقل کیا گیا۔

مستشرقین نے ایسے موضوعات پر بھی کام کیا جن کی مسلمان اہل علم نے تعریف کی ہے۔نایاب اسلامی متون تلاش کر کے تصحیح کے ساتھ انہیں اَزسرِنوطبع کرایا۔مگراس کے ساتھ ساتھ اَن گنت نسخے اسلامی دُنیا خصوصاًعرب ممالک کے عوام سے خرید کر،لوٹ کر یا کتب خانوں سے چوری کر کے یورپی دُنیا میں بھیجے گئے۔

چوتھا دور۔۱۹۲۵ء تا ۱۹۷۲ء

چوتھے دور میں مستشرقین اسلام پر اعتراضات کر کے اسے کمزور اور بے اصل ثابت کرنے کی بجائے ایک نئے اسلام کی اَساس رکھنے کے لیے کوشاں ہوگئے تا کہ اسلام کی من پسند تشریحات کر کے ایک ایسا نیا اسلام وجود میں لایا جائے جو مغرب کے نزدیک قابلِ قبول ہو۔ استشراق کے انداز میں اس بڑی تبدیلی کا ایک اہم سبب کمیونزم کا ظہور بھی تھا جس کی وجہ سے یورپی مستشرقین کے اَہداف وقتی طور پر تبدیل ہوگئے۔

پانچواں دَور۔۱۹۷۳ء تا حال:

مغرب کے عالمگیر منصوبوں کے سامنے خود استشراق کا مفہوم محدود ہوگیا تھا اس لیے ۱۹۷۳ء میں پیرس میں منعقدہ ایک کانفرنس میں استشراق کی اصطلاح ترک کردینے کا فیصلہ کرلیا گیا اور اس کی جگہ عالمگیریت (Globalization) کی اصطلاح کو متعارف کرایا جانے لگا۔

امریکی استشراق:

اس وقت کا استشراق امریکی استشراق ہے اور اسی کی نگرانی میں چل رہا ہے۔ خصوصاً ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد استشراق کی باگیں مکمل طور پر امریکا کے ہاتھ میں ہیں۔ مشنریوں سے لے کر فری میسنریوں تک، گمراہی کے ہر مظہر کو استشراق کا تعاون حاصل ہے۔

أساليب الأستشراق

مستشرقین کی تحقیقات اور کارکردگی کے تین انداز ہیں۔

1: مرحلة الأستكشاف (انکشافات اور تحقیق)

اس انداز میں دیے گئے مواد میں بظاہر تحقیق، انکشاف اور اشاعتِ علم مقصود نظر آتی ہے۔ مسلمانوں یا مشرق سے کسی بغض کا اظہار محسوس نہیں ہوتا۔ اس طرح قارئین کا دل ان تحقیقات کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

2: مرحلة المختلطة (ملاوٹ والا انداز)

اس اسلوب کے تحت کی گئی تحقیقات اور تصانیف میں دھیمے پیرایے میں اسلامی مآخذ اور اسلامی شخصیات سے ان کی عقیدت کو مجروح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

3: مرحلة العدوان الواضح (واضح دشمنی کا انداز)

اس انداز کے مواد میں اسلام سے کھلی دشمنی کا اظہار ہوتا ہے۔ مستشرقین اسلامی عقائد اور شریعتِ محمدیہ علی صاحبها الصلوٰة و السّلام پر حملے کرتے ہیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اور شعائرِ اسلام کا مذاق تک اُڑانے سے گریز نہیں کرتے۔

☆

مُحرّکاتِ استشراق

مستشرقین کی جدوجہد کے بڑے محرکات پانچ ہیں:

1۔ صلیبی محرّک
2۔ سیاسی واستعماری محرّک
3۔ دفاعی محرّک
4۔ تجارتی واقتصادی محرک
5۔ علمی محرّک

1: صلیبی محرّک

مستشرقین مذہبی تعصب اور دینی جوش وجذبے کی بناء پر استشراق کو اسلام کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں اور نصرانیت کے غلبہ کے لیے کوشاں ہیں۔

مندرجہ ذیل اَہداف پران کا زیادہ زور دکھائی دیتا ہے۔

1۔ اسلام کوموجودہ یہودیت ونصرانیت سے ماخوذ قرار دینا:

یعنی اسلام آخری وآفاقی مذہب نہیں بلکہ سابق مذاہب کی نقالی ہے (نعوذ باللہ)۔

2۔ رسالت میں شک پیدا کرنا:

مستشرقین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں شکوک وشبہات پیدا کرتے آرہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک کامیاب مفکر اور قائد تو تھے مگران کا سچا پیغمبر ہونا یقینی نہیں۔

3۔ قرآن مجید میں شکوک پیدا کرنا:

اس ضمن میں عموماً وہ یہ ثابت کرنے کے لیے زور لگاتے ہیں کہ قرآن پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے، کوئی آسمانی کتاب نہیں۔

4۔ حدیث میں شک پیدا کرنا:

مستشرقین کا بڑا نشانہ حدیثِ نبوی ہے۔ اس بارے میں ان کے پاس کچھ گنے چنے اعتراضات ہیں جن کے جوابات علمائے اسلام دے چکے ہیں۔

5۔ گھڑی ہوئی اور ضعیف روایات کو پھیلانا:

مستشرقین ایک طرف تو حدیث کے مستند مآخذ کو نشانہ بناتے ہیں، دُوسری طرف وہ ضعیف وموضوع روایات کو اپنی تحقیقات میں دلائل کے طور پر استعمال کرکے ان کی اشاعت کرتے ہیں۔

6۔ فقہ اسلامی پر وار:

فقہ اسلامی کو رومن لاء سے ماخوذ قرار دیا جاتا ہے۔

7۔ التنصیر (عقیدۂ تثلیث کی اشاعت کرنا)

مستشرقین کی اکثریت عیسائی ہے اور دُنیا کو عیسائی بنانا ایسے مستشرقین کا آخری ہدف ہے۔اس لیے وہ عقیدۂ تثلیث کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

2: سیاسی واستعماری محرّک

اکثر مستشرقین کی کوششوں کا محرک سیاسی اور استعماری ہے۔ان کی بڑی تعداد استعماری قوتوں کے لیے کام کرتی ہے۔ان کے اَہداف یہ ہیں:

1۔ اسلامی عادات ومعاشرت کا مطالعہ کرنا:

اسلامی معاشرے کی تہذیب وثقافت اور اَدب آداب اور اَقدار کی با قاعدہ تعلیم حاصل کی جاتی ہے تاکہ زمینی حقائق کے مطابق اپنی حکومتوں کی رہنمائی کریں۔

2۔ اسلامی ممالک کی زبانیں سیکھنا:

اسلامی ممالک میں رائج زبانیں سیکھ کر ان کو سیاست، سفارت، تجارت اور جاسوسی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

3۔ عربی زبان پر وار:

مسلمانوں کو ان کے مذہب کے مآخذ سے دُور کرنے کے لیے عربی سے ان کا رشتہ ختم کردینا چاہتے ہیں۔عربی کی فصاحت پر اعتراضات کرنے اور اس میں یورپی الفاظ ٹھونس کر اس کی اصل شکل کو بگاڑ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

4۔ عرب ممالک میں عربی کی بجائے وہاں کی قدیم متروکہ زبانیں پھیلانا:

عرب دُنیا کی اپنی پہچان ختم کرنے کے لیے قدیم اور متروک زبانوں کو زندہ کیا جارہا ہے۔

5 ۔ غیر مسلموں کی زبانوں اور بازاری لہجوں کی حوصلہ افزائی کرنا:

ہندوستان اور بنگلہ دیش میں مسلمانوں کی زبان اُردو اور بنگلہ کے مقابلے میں ہندی زبان کو فروغ دینے کی کوششیں بہت کامیاب جارہی ہیں۔ پاکستان میں بھارتی میڈیا کے ذریعے سُوقیانہ (بازاری) زبان کو فروغ دے دیا گیا ہے۔

6۔ عالم اسلام میں یورپین زبانوں کی اشاعت کرنا:

مراکش میں ہسپانوی، الجزائر میں فرانسیسی، لیبیا میں اطالوی اور پاک وہند سمیت اکثر اسلامی دُنیا میں انگریزی کو فروغ دیا جاتا رہا ہے جس کی وجہ سے عالم اسلام کی مقامی زبانیں شدید خطرے سے دوچار ہیں۔

7۔ مسلمانوں کے مختلف قبائل، ممالک، حکومتوں اور طبقات کے درمیان نفرت کی آگ بھڑکانا:

عالم اسلام کے ایک طبقے کو دوسرے طبقے سے، ایک برادری کو دوسری برادری سے اور ایک ملک کو دوسرے ملک سے مستقل طور پر متنفر کردینے کے لیے تحقیقی کتب لکھی جارہی ہیں۔ تاکہ مسلمان آپس کے اختلافات میں اُلجھے رہیں اور سیاسی طور پر کبھی متحد اور مضبوط نہ ہوسکیں۔

8۔ مغربی دُنیا کو چمکا دمکا کر پیش کرنا اور اس کی عظمت ثابت کرنا:

مستشرقین کی کتب پڑھ کر ایک عام مسلمان یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ انسانوں کے نہیں جانوروں کے بیچ آباد ہے اور انسان صرف یورپ میں پائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ دین داری اور دین داروں سے دُور رہ کر مغرب کی اندھا دھند نقالی میں اپنی عزت سمجھیں۔

9۔ مسلمانوں کو کمزور اور جاہل قرار دینا:

اکثر مستشرقین مسلمانوں سے ہمدردی کا پیرایہ اختیار کرکے ان میں جان بوجھ کر مایوسی پھیلاتے ہیں۔ یہ لٹریچر پڑھ کر ایک عام مسلمان یہ سمجھنے لگتا ہے عالم اسلام کی دُنیا میں کوئی

حیثیت نہیں ہے، اور مسلمان بحیثیتِ قوم نا قابل اصلاح ہیں۔

10۔ جہاد کی غلط تاویلات کرنا:

مغرب کو ہمیشہ مسلمانوں کے جذبۂ جہاد سے خوف لاحق رہا ہے اس لیے مستشرقین مسلمانوں کو جہاد سے دُور رکھنے کے لیے طرح طرح کی تاویلات سکھاتے ہیں۔

3: دفاعی محرّک

مستشرقین اسلام سے متنفر کرنے والا لٹریچر پھیلا کر اسلام کی دعوت کے راستے مسدود کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تا کہ اگر لوگ نصرانیت قبول نہ کریں تو کم از کم اسلام بھی نہ لائیں۔

4: تجارتی واقتصادی محرّک

مغربی ناشرین تجارتی نفع کے پیشِ نظر بھی مشرقی موضوعات پر تصنیفی وتحقیقی کاموں کی سرپرستی کرتے اور کتابیں چھاپ کر پوری دُنیا میں فروخت کرتے ہیں اس طرح انہیں بے تحاشا دولت حاصل ہوتی ہے۔

5: علمی محرّک

بعض مستشرقین علمی ذوق سے مجبور ہو کر مشرقی موضوعات کو اپنی تحقیقات کا محور بناتے ہیں۔ ان کا تحقیقی معیار دیگر مستشرقین سے بہت بہتر ہوتا ہے۔ ان کی تصانیف کے فوائد اپنی جگہ ہیں مگر ان سے مسلم معاشرے میں مستشرقین کی ایسی کتب کے فروغ کی راہ بھی ہموار ہو جاتی ہے جو زہر آلود ہیں۔

مستشرقین کے دو اہم ترین اہداف

1۔ عقائد وشرائع اسلام کا خاتمہ:

ان کا سب سے بنیادی نشانہ اسلامی عقائد اور شریعتِ اسلامیہ کو مٹا دینا ہے۔

2۔ مغرب کو اسلام سے دُور رکھنا:

استشراق کے ذریعے مغربی دُنیا کو اسلام سے دُور رکھنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے۔

وسائل الاستشراق

(Resouces of Orientalism)

مستشرقین کے وسائل و ذرائع کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1۔ مباشرہ یعنی براہ راست ذرائع (Direct resources)

2۔ غیر مباشرہ یعنی بالواسطہ ذرائع (Indirect resources)

1۔ مباشرہ یا براہ راست ذرائع

اس کے ذیل میں درج ذیل ذرائع بہت اہم ہیں:

(1) کتب (2) تراجم (2) رسائل، مجلّات، اخبار و جرائد (3) کانفرنسیں، سیمینار اور کنونشن (4) انسائیکلو پیڈیاز (5) الیکٹرانک میڈیا۔ (ریڈیو، سینما، ٹی وی اور انٹرنیٹ)

2۔ غیر مباشرہ یعنی بالواسطہ ذرائع

اس میں درج ذیل ذرائع قابلِ ذکر ہیں:

(1) جامعاتِ مستشرقین (2) مغربی جامعات کے اسلامی و مغربی شعبے

(3) تلامیذِ مستشرقین۔

☆

مستشرقین کا طریقۂ واردات اور معیارِ بحث

☆ مستشرقین سب سے پہلے تحقیق کا ایک مقصد طے کر لیتے ہیں۔

☆ اس کے بعد اس مقصد کے لیے کسی مناسب موضوع کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

☆ قرآن، حدیث اور فقہ سے لے کر تاریخی کتب بلکہ اَدب، شاعری اور سفرناموں تک سے مواد چنا جاتا ہے۔ جس سے مطلوبہ نظریے کی عمارت کا ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے۔

☆ ایک بے اصل بات کو ملمع کاری کے ذریعے ایسی آن بان کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

☆

مستشرقین کی کامیابیوں کی وجوہ

مستشرقین کی کامیابی کی وجوہ درج ذیل ہیں:

☆ مسلمانوں کی جہالت، انگریزی سے مرعوبیت، مسلمانوں کے علمی طبقے کا سکوت، بے سروسامانی اور حوصلہ شکنی، مستشرقین کے لیے سہولیات اور حکومتی سرپرستی۔

موضوعات الاستشراق

مستشرقین اپنی تصانیف، مقالوں اور تقریروں میں عموماً ان موضوعات کو زیرِ بحث لاتے ہیں:

(1) ذاتِ باری تعالیٰ (2) رسالت محمدیہ (3) قرآنِ مجید

(4) مجموعۂ احادیث (5) فقہ اسلامی (6) لغۃ القرآن، عربی

(7) سیرۃ النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام (8) تاریخ اسلام

(9) ألفِرَق الأسلامیہ (10) ألدُوَل الأسلامیہ

(11) اسلامی تحریکیں۔

استشراق کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟

استشراق کا مقابلہ کرنے کے لیے دورِ حاضر کے مسلم دانشوروں نے جو سفارشات

مرتب کی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

☆ الغزو الفکری کو اسلامی دُنیا کے نصاب کا باقاعدہ حصہ بنادیا جائے۔

☆ استشراق کے مقابلے کے لیے مستقل ادارے قائم کیے جائیں، یا کم از کم دینی وعصری تعلیمی اداروں میں اس کے لیے تخصیصی شعبہ جات کا انتظام کیا جائے۔

☆ مطلوبہ اہم موضوعات پر اتنا معیاری کام کیا جائے کہ مستشرقین کا کام ماند پڑ جائے۔

☆ تحقیقی کام کے ذریعے مستشرقین کی دسیسہ کاریوں، غلط فہمیوں اور جہالتوں کو ناقابل تردید دلائل کے ذریعے واضح کیا جائے۔

چند مشہور مستشرقین کا تعارف

ولیم میور: (1819-1905ء)

یہ مشنری پادری تھا اس کی کتب ''حیاتِ محمدؐ'' اور ''القرآن تالیفه و تعالیمه'' بہت مشہور ہیں۔ حیاتِ محمد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جابجا اعتراضات کر کے آپ ﷺ کی رسالت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اگناز گولڈزیہر: (1850-1921)

متعصب یہودی مستشرق تھا۔ استشراق کے مجدّدین میں شمار ہوتا ہے۔ اسلامی عقائد اور شریعت، قرآن مجید اور حدیث کے بارے میں کئی متعصبانہ کتب لکھیں جن میں ''تاریخ مذاهب التفسیر الاسلامی'' اور ''العقیدة والشریعة'' بہت مشہور ہیں۔

تھامس آرنلڈ: (1864-1930)

اسے معتدل مستشرقین میں شمار کیا جاتا ہے، اس کی کتاب دعوتِ اسلام بے حد مشہور ہے۔

اسٹینلے لین پول: (1854 - 1931)

صلاح الدین ایوبیؒ پر معتدل تاریخی کام کرنے کی وجہ سے دُنیائے اسلام میں مشہور ہے۔

پرنس لیون کایتانی: (1869-1935)

عربی وفارسی کا ماہر اطالوی مستشرق تھا۔اس کی مشہور تصنیف ''حولیات الاسلام'' جودس جلدوں میں ہے،تاریخ اسلام میں اکثر مستشرقین کا ماخذ ہے۔

ھنری لامینس: (1862-1937)

مسیحی کالج بیروت کا یہ پروردہ مستشرق مشنریوں کا سرکردہ رکن اور اسلام کے بارے میں شدید متعصب تھا۔سیرتِ خلفاء راشدینؓ اور خلفائے بنواُمیہ کو داغ دار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اے جے وینسک: (1882-1939)

''المعجم المفهرس للحديث النبوية'' اور اس کی تلخیص ''مفتاح کنوز السنة'' کو مرتب کرکے عالم اسلام کے اہل علم سے بڑی دادوصول کی مگر اس کی دیگر کتب میں اسلام سے تعصب اور حسد ظاہر ہوتا ہے۔

سموئیل زویمر: (1867-1952)

اس امریکن پادری کی اسلام دشمنی ضرب المثل ہے۔مشنریوں کو اسلام کے خلاف دلائل فراہم کرنے کے لیے درجنوں کتابیں لکھ ڈالیں۔

این میری شمل: (1922-2003)

جرمنی کی یہ نامور مستشرقہ عمرانیات،لسانیات اور تاریخِ مذاہب کی ماہر تھی۔اقبال اور مولانا رومؒ سے خاص دلچسپی تھی۔فارسی،سندھی،اردو اور ترکی زبانوں کی منتخب شاعری کا

انگریزی اور جرمنی میں ترجمہ کیا۔

برنارڈ لوئیس: (1916)

دورِ حاضر کا سب سے بڑا یہودی مستشرق ہے۔ تاریخ اسلام، اسماعیلی، حشاشین، عالم عربی کے مسائل اور اسلامی تحریکات پر کئی کتابیں لکھیں۔

☆☆☆

ألساحة الثانية

ألاستعمار (سامراجیت)

(Colonialism, Colonizing, Imperialism)

اِستعمار یا سامراجیت کا مطلب ہے ”کسی علاقے پر اپنے ایجنٹ مسلط کر کے اس طرح تسلط حاصل کرنا کہ مقامی وسائل کو لوٹا جاتا رہے۔“

کیمبرج ڈکشنری کے مطابق: ”**colonialism**“ سے مراد ایسے نظام کو فروغ دینا ہے جس میں ایک ملک دوسرے ملک کے معاملات کو کنٹرول کرے۔“

استعماری سوچ کی بنیادیں:

استعماری سوچ کا قدیم ترین نمونہ یونانی فاتح سکندر اعظم کی فتوحات اور اس کے معاصر فلسفی ارسطو کی تعلیمات میں ملتا ہے۔ اس پالیسی کے نتیجے میں یونان نے چار سو سال تک ایشیا پر حکومت کی۔

عالم اسلام کے خلاف استعماری کوششیں، تمہیدی دور:

اسلامی دور میں یورپی استعمار کا تمہیدی دور دورِ خلافتِ راشدہ سے صلیبی جنگوں کے اختتام تک رہا جس میں اسلام دشمن عناصر درج ذیل چار اَہداف کے لیے سرگرم نظر آتے ہیں۔ (1) اسلامی خلافت کا خاتمہ (2) مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ (3) عالم اسلام پر قبضہ (4) عالم اسلام کو فنا کر دینا

(1) **اسلامی خلافت کا خاتمہ:** دورِ خلافتِ راشدہ سے لے کر خلافتِ عباسیہ تک کفریہ طاقتیں خلافتِ اسلامیہ کا خاتمہ کرنے کی کوششیں کرتی رہیں۔ 616ھ میں چنگیز خان نے عالم اسلام پر حملہ کیا اور اس کے پوتے ہلاکو خان نے محرم 656ھ میں بغداد کو

تہس نہس کر کے عباسی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔عیسائیوں نے ان کی پوری حمایت کی۔

(2) **مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ:** مقاماتِ مقدسہ پر قبضے کے لیے عالم اسلام پر صلیبی جنگوں کا عذاب مسلط کیا گیا جس میں اَن گنت مسلمان قتل کیے گئے۔

(3) **عالم اسلام پر قبضہ:** یورپ کا مقصد صرف بیت المقدس پر قبضہ کرنا نہیں بلکہ عالم اسلام کی ساری زمین اور وسائل کو ہتھیانا تھا۔

(4) **عالم اسلام کو فنا کر دینا:** صلیبی جنگوں اور تاتاریوں کی حمایت کی اس تمام تگ و دو کے پیچھے دُنیا سے اسلام کے خاتمے اور اپنے مذہب کے عالمگیر غلبے کی زبردست خواہش موجود تھی۔

اہلِ باطل کی ناکامی کی وجوہ:

مسلمانوں کے تین بڑے اقدامات کی وجہ سے عیسائیوں اور تاتاریوں کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں۔ (1) دعوتِ اسلام کا کام ہوا جس کی بدولت تاتاری مسلمان ہوگئے۔ (2) مصر میں بنوعباس کی خلافت کو بحال کر دیا گیا، (3) پرچمِ جہاد بلند رکھا گیا حتیٰ کہ تاتاریوں اور صلیبیوں دونوں کو شکستِ فاش ہوئی۔

سوچ بچار اور ذہنی تبدیلیوں کا دور:

ان تجربات کے بعد اسلام دشمن طاقتیں سمجھ گئیں کہ خلافتِ اسلامیہ کو ختم کرنا، مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ کرنا اور مسلمانوں کو مٹانا آسان نہیں۔اس کے لیے پہلے زمین ہموار کرنا ہوگی۔انہوں نے چودہویں اور پندرہویں صدی تک خود کو مضبوط کیا اور پھر دُنیا پر قبضے کی نئی کوششیں شروع کیں۔

استعماری سوچ کو مہمیز دینے والے چار واقعات:

چند واقعات سے یورپ میں از سر نو استعماری سوچ کو تقویت ملی۔

(1) 1453ء میں عثمانی ترک حکمران سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کرلیا۔

(2) قسطنطنیہ کے رومی فلسفی اور حکماء یورپ چلے گئے جن سے یورپ میں استعماری سوچ بھی پروان چڑھنے لگی۔

(3) جنوری 1492ء میں اسپین پر عیسائیوں کے قبضے کی تکمیل ہوگئی۔

(4) ترکوں نے یورپی تاجروں کے لیے تجارتی راستے بند کردیے تھے جس کی وجہ سے یورپی تاجروں نے نئے تجارتی راستوں کی تلاش شروع کردی۔

استعمار کا اصل دَور:

سولہویں صدی عیسوی کے اواخر میں اصل استعمار کا آغاز ہوتا ہے جس میں یورپی اقوام کا نقش راہ یوں مرتب ہوتا نظر آتا ہے۔

(1) معاشی وتجارتی خودانحصاری (2) اسلامی دُنیا کا اقتصادی وعسکری محاصرہ (3) تجارت واقتصاد میں غالب آنا (4) اسلامی دُنیا پر تسلط (5) خلافتِ اسلامیہ کا خاتمہ (6) عالم اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا (7) عالم اسلام کے تشخص کا خاتمہ کردینا

پہلا مرحلہ: معاشی وتجارتی مضبوطی اور خودانحصاری

جب ترکوں نے اپنے تحفظات کی وجہ سے یورپ پر خشکی اور سمندر کے تجارتی راستے بند کردیے تو یورپی تاجروں کی اقتصادی خودانحصاری خطرے میں پڑ گئی۔ اب ان کا پہلا قدم یہی تھا کہ تجارتی راستے تلاش کرکے ترکوں کی جانب سے کی گئی اقتصادی ناکہ بندی کو غیر مؤثر کردیا جائے۔ ان دنوں اسپین پر فرڈیننڈ اور پرتگال پر شاہ مینوئیل کی حکومت تھی۔ فرڈی ننڈ اور اُس کی ملکہ ازابیلا نے بھی سمندری راستوں کی تلاش کے لیے اگست 149[illegible]ء میں کولمبس کو مشرقی ملکوں کا راستہ ڈھونڈنے کے لیے روانہ کردیا، مگر وہ راستہ بھٹک کر نئی دُنیا جنوبی امریکا پہنچ گیا۔ ادھر پرتگال کے بادشاہ مینوئیل نے جولائی 1497ء میں

واسکوڈی گاما کواسی مقصد کے لیے روانہ کیا جو 18 مئی 1498ء کو ہندوستان پہنچ گیا۔ یہ لوگ صرف تجارت کرنے نہیں بلکہ کمزور ریاستوں پر جبراً قبضہ کرنے گئے تھے۔ واسکوڈی گاما کی مہم سے یورپ کو تجارت کے نئے راستے اورلوٹ مار کے لیے موزوں شکار گاہیں مل گئیں، یوں یورپ میں خوشحالی کے دور کی بنیاد پڑ گئی۔

دوسرا مرحلہ: اسلامی دُنیا کا اقتصادی وعسکری محاصرہ

چند برسوں کے اندر اندر یورپ کے مختلف ملکوں کے مسلح بیڑے عالم اسلام کی مختلف بحری سرحدوں پر قبضے کرنے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی گرفت اتنی مضبوط ہوگئی کہ اسلامی دُنیا خود اقتصادی وعسکری محاصرے کی پوزیشن میں آ گئی۔

پرتگال نے 1515ء میں مسقط، ہرمزاور بحرین جیسی اہم بندرگاہوں پر قبضہ کرلیا جس سے عرب دُنیا کی عجم سے تجارت کے بحری راستوں پر بھی یورپیوں کا قبضہ ہوگیا۔

اسپین کے مہم جو 1521ء میں بحرالکاہل کوعبور کر کے فلپائن پہنچ گئے۔1565ء میں وہ فلپائن کے ساحلوں پر قابض ہو گئے۔

ایک صدی تک برصغیر کے ساحلوں پر پُرتگیزیوں کی اِجارہ داری رہی۔ سولہویں صدی کے اَواخر میں ولندیزی (ڈچ) یہاں آئے۔ 1600ء میں انگریزوں نے بھی ”ایسٹ انڈیا ٹریڈنگ کمپنی“ کی بنیاد رکھی اور کئی سال کی کوشش کے بعد مغل بادشاہ جہانگیر سے ”ایسٹ انڈیا کمپنی“ کے لیے تجارتی پروانہ حاصل کرلیا۔1664ء میں فرانسیسی تاجروں نے بھی ”فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی“ کے نام سے ایک تجارتی فرم بنا کر ہندوستان کے ساحلوں پر اپنی سرگرمیوں کا آغاز کردیا۔

اورنگ زیب عالمگیر نے یہ دیکھ کر کہ انگریز تجارت سے آگے بڑھ کر سیاسی قوت بننے کی کوشش کررہے ہیں، ان پر دوبار پابندی لگائی مگر اُنہوں نے ہر بار معافی مانگ لی۔ مغل

حکمران اپنی شان وشوکت کے سامنے غیر ملکی تاجروں سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے تھے۔اس لیے معافی دے دی گئی،اورنگ زیب کے بعد غیر ملکی کمپنیاں بالکل آزاد ہوگئیں، اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط میں انہوں نے مسلم دُنیا کا اقتصادی وعسکری محاصرہ مکمل کرلیا۔

تیسرا مرحلہ:تجارت واقتصاد میں غالب آنا

مسلم دُنیا کا اقتصادی وعسکری محاصرہ مکمل کرنے کے بعد عالمی تجارت بھی یورپی طاقتوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ یورپی طاقتوں نے چند عشروں میں اپنے خزانے بھرلیے اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط تک یورپ صنعت وتجارت اور اقتصادی طاقت کے لحاظ سے اکثر اسلامی ملکوں سے آگے نکل گیا۔

چوتھا مرحلہ:اسلامی دُنیا پر تسلط

انگریزوں نے **1757**ء میں سراج الدولہ کو پلاسی کے میدان میں شکست دی اور بنگال پر قبضہ کرلیا۔**4** مئی **1799**ء کو اُنہوں نے غداروں کے ذریعے میسور پر قبضہ کرلیا، میسور کا مجاہد حکمران ٹیپو سلطان مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگیا۔**1843**ء میں اُنہوں نے سندھ پر، **1849**ء میں پنجاب پر اور **1857**ء میں دہلی پر بھی قبضہ کرلیا اور آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کرکے مغل حکومت کا خاتمہ کردیا۔

دیگر ملکوں پر بھی برطانیہ کی یلغار جاری تھی۔انگریزوں نے **1851**ء میں نائجیریا پر، **1888**ء میں مصر پر قبضہ، **1898**ء میں سوڈان پر، **1914**ء میں عراق پر اور **1918**ء میں اُردن اور فلسطین پر بھی تسلط حاصل کرلیا۔ اس دوران **1840**ء، **1880** اور **1918**ء میں افغانستان سے تین جنگیں لڑیں مگر قبضہ نہ کرسکا۔

روس: روس نے **1556**ء میں نومسلم تاتاریوں کے دارالحکومت ''استراخان'' پر قبضہ

کر کے وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں اور ایران تک کا راستہ پالیا۔ 1670ء میں جھیل ورال پر قبضہ کرلیا۔ 1696ء میں ترکی کے اہم شہر ازوف پر اور 1778ء میں ترکی کے دفاعی مرکز ''کریمیا'' پر قابض ہوگیا۔ 1824ء میں بحیرہ اسود کے اہم دفاعی نقطے جزیرہ قرم پر قبضہ کرلیا۔ انیسویں صدی میں وسط ایشیا کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ 1864ء میں قفقاز، 1867ء میں تاشقند، 1868ء میں بخارا، 1873ء میں خیوہ اور 1884ء میں مرو، روس کے سامنے سرنگوں ہوگئے۔ 1917ء میں روس میں سوشلسٹ انقلاب آیا جس کے بعد وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کی رہی سہی آزادی بھی سلب کر لی گئی اور مساجد و مدارس بند کردیے گئے۔ لاکھوں مسلمان قتل اور لاکھوں جلاوطن کیے گئے۔

فرانس: فرانس نے 1830ء میں الجزائر، 1881ء میں تیونس، 1882ء میں سینیگال اور مدغاسکر، 1912ء میں مراکش اور 1921ء میں شام پر قبضہ کرلیا۔

اٹلی: اٹلی نے 1887ء میں صومالیہ اور اریٹریا پر اور 1911ء میں لیبیا پر قبضہ کیا۔

غرضیکہ بیسویں صدی کے شروع میں تقریباً سارا عالم اسلام استعماری طاقتوں کے قبضے میں آچکا تھا۔

پانچواں مرحلہ: خلافتِ اسلامیہ کا خاتمہ

استعماری طاقتیں اب خلافتِ اسلامیہ کا خاتمہ کرنے کے قابل تھیں۔ یورپی ممالک کی سرپرستی میں ''انجمن اتحاد و ترقی'' جیسی تنظیمیں منصب خلافت اور اسلامی شعائر کا احترام زائل کررہی تھیں اور مصطفی کمال پاشا جیسے ایجنٹ تیار کرلیے گئے تھے۔ 1909ء میں ان ایجنٹوں نے خلیفہ کے اختیارات کو سلب کرکے وہاں مغربی طرز پر جمہوریت قائم کردی۔

پہلی جنگ عظیم ختم ہونے پر فاتح استعماری قوتوں نے ترکی کو شام، فلسطین اور عراق سے بھی دست بردار ہونے پر مجبور کردیا۔ 1924ء میں مصطفی کمال نے اسلام دشمن

طاقتوں کے اِیما پر اخلافت کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

تصورِ احیاء خلافت کا خاتمہ:

خلافت کے دوبارہ قیام کو روکنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے گئے:

(1) جدّت پسندی کی مہم چلا کر لوگوں کا اسلام سے رشتہ کمزور کر دیا گیا۔

(2) مسلمانوں میں قوم پرستی اور وطن پرستی کے جذبات اُبھارے گئے تا کہ ایک خلیفہ پر اتفاق محال ہو جائے۔

(3) یہ پرچار کیا گیا کہ خلافت ایک عضوِ معطل اور ایک غیر مفید اِدارہ ہے۔

(4) جمہوری طرزِ حکومت کو ترقی کا ضامن باور کرایا گیا۔

(5) عالمی تنازعات کے حل کے لیے خلافت کی جگہ 1917ء میں ایک متبادل عالمی ادارے لیگ آف نیشنز کی بنیاد رکھ دی۔

(6) خلافت کا خاتمہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں کرایا گیا تا کہ اسلامی دُنیا میں کوئی غیر معمولی ردّعمل پیدا نہ ہو۔

چھٹا مرحلہ: عالم اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا

سقوطِ خلافت کے بعد استعماری طاقتوں نے چھٹے مرحلے کا آغاز کر دیا اور اسلامی دُنیا کے حصّے بخرے کر کے خود واپسی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اِنتشار باقی رکھنے کے حربے:

اِستعماری طاقتیں مسلم ممالک کو تقسیم در تقسیم کی راہ پر ڈالنے کے لیے درج ذیل اقدامات بھی کر گئیں۔

(1) **اقوام متحدہ کا شکنجہ:** اقوام متحدہ کے بل بوتے پر استعماری قوتوں نے عالم اسلام کے مسائل کو لاینحل (حل نہ ہونے والے) بنا رکھا ہے۔

(2) بین الاقوامی قوانین: اقوام متحدہ کے ذریعے مسلم دُنیا پر ایسے قوانین مسلط کیے گئے ہیں جو کہنے کے تو بین الاقوامی ہیں لیکن ان کا عملی اطلاق صرف مسلم ممالک پر کیا جاتا ہے۔

(3) معاہدے: اِستعماری طاقتیں کبھی اقوام متحدہ کے توسط سے اور کبھی براہ راست مسلم ممالک سے مختلف معاہدے کرتی ہیں جن سے تنازعات اُلجھتے چلے جاتے ہیں۔

(4) مسلمانوں پر مسلط کردہ جنگیں: مسلم دُنیا کی توڑ پھوڑ اور شکستگی کے لیے وقتاً فوقتاً ان پر جنگیں مسلط کردی جاتی ہیں۔

(5) بلاکس: مختلف بلاکس بنا کر مسلم ملکوں کو تقسیم کردیا گیا ہے، ایک بلاک کا مسلم ملک دوسرے بلاک کے مسلم ملک کو اپنا حریف تصور کرتا ہے۔

(6) اسلامی دُنیا میں بھڑکائی گئی جنگیں: مسلم ممالک کو باہم لڑا دیا جاتا ہے۔ ممالک کے اندر بھی خانہ جنگی کی آگ بھڑکائی جاتی ہے۔

(7) سیکورٹی: استعماری طاقتیں بعض مسلم ملکوں میں سیکورٹی کے نام پر افواج تعینات کردیتی ہیں۔ یہ دوستی کے نام پر درحقیقت دشمنی ہوتی ہے۔

(8) جمہوریت کا فروغ اور کٹھ پتلی حکمران: مسلم ممالک میں جمہوریت کی آبیاری کرکے ان پر اپنے ایجنٹوں اور کٹھ پتلی حکمرانوں کو مسلط کرنا بہت آسان ہوگیا ہے۔

(9) سیاسی ولسانی پارٹیوں کا فروغ: مسلم دُنیا میں نئی نئی سیاسی اور لسانی پارٹیوں کی ریل پیل انتشار پھیلانے کا ایک بڑا سبب ہے۔

(10) لسانیت وصوبائیت: ہر مسلم ملک کو لسانی اور صوبائی بنیاد پر تقسیم کرنے کے لیے ایسی جماعتیں کھڑی کی گئی ہیں جو لسانیت اور صوبائیت کا پرچار کرتی ہیں۔

(11) مذہبی فرقہ بندی کا فروغ: نئے نظریات کے ساتھ اُٹھنے والے ہر فرقہ کی

حمایت کی جاتی ہے۔

(12) جعلی لیڈر شپ تیار کرنا: استعماری طاقتیں مسلم دُنیا کی لیڈر شپ اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے اپنے منظورِ نظر افراد کو تیار رکھتی ہیں۔

ان داخلی اور خارجی اختلافات کی وجہ سے عالم اسلام اب تک اپنے حقوق کے لیے اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرنے سے قاصر ہے۔

ساتواں مرحلہ...... عالم اسلام کے تشخص کا خاتمہ کر دینا

عالم اسلام کے تشخص کے خاتمے کے لیے یہ ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں:

(1) گمراہ کن مفکرین کی تیاری: ایسے مفکرین کو کھڑا کیا جا رہا ہے جن کے ذریعے سے اسلام کی روح کو ختم کر دیا جائے۔ جو دین کے نام پر دین سے دُور لے کر جائیں۔

(2) استعمار کی اطاعت کی تلقین: یہی نام نہاد اسلامی مفکرین و مجتہدین اپنی تحقیقات اور فتاویٰ میں استعماری طاقتوں کی اطاعت کا درس دیتے ہیں۔

(3) فاسد اور غلط تاویلات کے ذریعے جہاد کے تصور کو ختم کرنا: جہاد استعمار کے زہر کے لیے تریاق کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے استعمار کے علمی و فکری ایجنٹ جہاد کے تصور کو مٹانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔

(4) اسلامی عقائد کو بدل کر استعمار کی اَغراض کے مطابق بنانا: اسلام کی حقیقی شکل کو مسخ کر کے اسے استعماری اغراض کے مطابق شکل دی جا رہی ہے۔

(5) جمہوری نظریے کا فروغ: اسلامی قوانین کے خاتمے اور بے دینی و الحاد کے فروغ کے اَہداف جمہوریت پسندوں ہی کے ذریعے حاصل کیے گئے ہیں۔

(6) مسلمانوں کی ثقافت کو مجروح کرنا: استعماریوں نے مسلمانوں کا تشخص مجروح کرنے کے لیے ان کی تہذیب و ثقافت اور بود و باش سمیت ہر چیز کو تبدیل کر دیا۔

ألساحة الثالثة

عالمگیریت (العولمة)

گلوبلائزیشن(Globalization)

امریکی و یہودی استعمار واستشراق

عالمگیریت استشراق اور استعمار کا نیا ایڈیشن ہے جس کی قیادت امریکا اور یہودی لابی کے ہاتھ میں ہے۔ عالمگیریت ایک ایسی تحریک ہے، جس کا مقصد اقتصادی، ثقافتی، معاشرتی، دینی، قومی اور وطنی امتیازات کو ختم کر کے پوری دُنیا کو یہودی اَہداف اور امریکی نظریے کے مطابق جدید سرمایہ دارانہ نظام کے دائرے میں لانا ہے۔

عالمگیریت کا اصل ہدف عالم اسلام کیوں؟

عالمگیریت تمام دُنیا پر مسلط کی جارہی ہے مگر اس کا اصل ہدف عالم اسلام اور مسلمانوں کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کی چار وجوہ ہیں:

(1) پوری دُنیا میں اسلامی ممالک جغرافیائی لحاظ سے بہترین خطوں میں واقع ہیں۔

(2) اسلامی دُنیا حیرت انگیز معدنی وسائل سے مالا مال ہے۔

(3) تین بڑے مذاہب اسلام، نصرانیت اور یہودیت کے مقاماتِ مقدسہ اسلامی دُنیا میں واقع ہیں۔

(4) عالمگیریت کا جواب صرف اسلامی نظام ہی دے سکتا ہے، اس لیے عالمگیریت کو صرف اسلامی نظام سے خطرہ ہے۔

☆☆☆

عالمگیریت (Globalization) کے چار میدان

چار میدانوں میں عالمگیریت کے فروغ کی کوشش جاری ہے: (1) سیاسی عالمگیریت (2) اقتصادی عالمگیریت (3) تہذیبی عالمگیریت (4) معاشرتی عالمگیریت

(1) سیاسی عالمگیریت

امریکیوں نے ابتدا میں براعظم شمالی وجنوبی امریکا کے حقیقی باشندوں (ریڈ انڈینز) سے ان کے علاقے چھینے، پھر اُنیسویں صدی کے وسط میں اپنی حدود سے باہر جارحیت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کردیا۔ جاپان، فلپائن، کیوبا، کمبوڈیا، ویت نام، ہیٹی، لبنان اور لیبیا کو نشانہ بنایا۔ **1945**ء میں جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بموں کا تجربہ کیا۔ امریکا کے استعماری عزائم اور وسائل کو دیکھ کر یہودیوں نے سیاسی عالمگیریت کے لیے اِسے بھرپور طور پر استعمال کیا۔ سیاسی عالمگیریت کی خاطر امریکا کے یہودی سرمایہ داروں نے لیگ آف نیشنز اور اقوام متحدہ کی بنیاد رکھی۔ **24** اکتوبر **1945**ء کو اقوام متحدہ کے منشور کا اعلان ہوا، یہی ادارہ اس وقت سیاسی عالمگیریت کا مرکز ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر:

افغانستان میں سوویت یونین کی شکستِ فاش اور نظریہ کمیونزم کی ناکامی کے بعد **1991**ء میں امریکا کی جانب سے نیو ورلڈ آرڈر سیاسی عالمگیریت کا آغاز تھا۔ **1995**ء میں امریکا میں منعقدہ ایک اجلاس میں گلوبلائزیشن کے آغاز کا باقاعدہ اعلان ہوا۔

(2) اقتصادی عالمگیریت

عالمگیریت کا دُوسرا میدان اقتصادی ہے۔ اس کا مقصد دُنیا کی اقتصادیات پر قابو پاکر اسے چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں مرکوز کرنا ہے۔

اس مقصد کے لیے چار اہم اقدامات کیے گئے۔

(1) سونے کے ذخائر پر قبضہ (2) عالمی تجارتی اداروں کا قیام

(3) تجارت سے متعلقہ عالمی معاہدے (4) ملٹی نیشنل کمپنیوں کا فروغ

(پہلا اقدام) سونے کے ذخائر پر قبضہ:

سونے کے ذخائر پر قبضہ یہود کا قدیم خواب تھا۔ یہ خواب تب ہی پورا ہو سکا جب سونے چاندی کے سکوں کی جگہ نوٹوں نے لے لی۔ **1971**ء تک تمام ممالک کی کرنسیاں ڈالر سے جبکہ ڈالر سونے سے وابستہ تھا۔ **1971**ء میں دُنیا کے ہاتھوں میں صرف کرنسی رہ گئی۔ سونے کے اکثر ذخائر پر یہودی کا مکمل قبضہ ہوگیا۔

(دوسرا اقدام) عالمی مالیاتی ادارے:

امریکی اور صہیونی لابی نے اقتصادی عالمگیریت کے لیے دوسرے بڑے قدم کے طور پر عالمی مالیاتی ادارے قائم کیے۔ ان کا تعارف حسبِ ذیل ہے۔

(الف) انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (I.M.F): یہ ادارہ پوری دُنیا کا مرکزی بینک ہے جو ضرورت مند ملکوں کو 3 سے 5 سال تک کی مدت کے لیے قرضے دیتا ہے۔

(ب) عالمی بینک: (**World Bank**): یہ ادارہ ممبر ممالک کو طویل مدت کے لیے قرضے دیتا ہے۔ قرضے کی میعاد 15 سے 30 سال تک ہوتی ہے۔

(ج) ''ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن'' (**W.T.O**): اس تنظیم کا اصل مقصد آئی ایم ایف اور عالمی بنک کے تعاون سے عالمی تجارتی نظام کے لیے بنیادی اور قانونی دائرہ کار تشکیل دینا ہے۔

(تیسرا اقدام) عالمی تجارتی معاہدوں کا قیام:

اقوام متحدہ اور عالمی مالیاتی اداروں کی مدد سے امریکا اور یہودی سرمایہ داروں نے کثیر

الملکی معاہدوں کو فروغ دیا ہے جن کے ذریعے بین الاقوامی آزادانہ تجارت کی بنیاد رکھی گئی۔ آزاد عالمی تجارت کا مطلب یہ ہے کہ تمام ملکوں کی منڈیوں کے دروازے پوری دُنیا کے تجارتی اداروں کے لیے کھلے ہوئے ہوں کوئی حکومت کسی غیر ملکی کمپنی پر کوئی پابندی عائد نہ کر سکے۔ اس سلسلے میں **1947**ء کا گاٹ معاہدہ بہت اہم تھا جسکا بڑا مقصد یہ تھا کہ مصنوعات کے سلسلے میں ہونے والا مقابلہ حکومتوں کے درمیان نہیں بلکہ صرف مختلف کمپنیوں کے درمیان ہو۔

(چوتھا اقدام) ملٹی نیشنل کمپنیوں کا فروغ:

چند چھوٹی کمپنیاں ایک دوسرے میں ضم ہو کر ایک بڑی ملٹی نیشنل کمپنی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، ان کے مالکان تجارت میں باہم شریک بن جاتے ہیں۔ ان کمپنیوں کی وجہ سے مقامی مصنوعات تدریجاً ختم ہو جاتی ہیں، اور غیر ملکی سامان ساری دُنیا میں پھیل جاتا ہے۔ اس وقت چند ملکوں کی ملٹی نیشنل کمپنیاں پوری دُنیا پر چھا چکی ہیں۔

اقتصادی عالمگیریت کے اثرات اور خطرات:

اقتصادی عالمگیریت کی وجہ سے (1) دُنیا بھر میں چھوٹی کمپنیوں، مقامی صنعتوں اور چھوٹے تاجروں کے گرد گھیرا انتہائی تنگ ہو گیا ہے۔ (2) بیروزگاری کے تناسب میں خطرناک حد تک اضافہ ہو رہا ہے (3) نئے صنعتکاروں کے سامنے ترقی کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں۔ (4) مستقبل میں ایک چیز ایک ہی کمپنی تیار کر کے پوری دُنیا کو فراہم کرے گی اور منہ مانگی قیمت لگائے گی۔ (5) پوری دُنیا کی دولت سمٹ کر چند افراد کے پاس آ گئی۔ (6) امریکا کے یہودی سرمایہ دار بیٹھے بٹھائے سودی چکر کے ذریعے پوری دُنیا کی کمائی اکیلے ہڑپ کرتے جا رہے ہیں۔

(3) تہذیبی وثقافتی عالمگیریت

عالمگیری (Globalization) کا تیسرا بڑا میدان تہذیبی وثقافتی عالمگیریت ہے۔تہذیبی تصادم کے خطرے کا پرچار کر کے تہذیبوں کے درمیان مذاکرات کو فروغ دیا جارہا ہے۔مگر اس کا مقصد اسلام سمیت دُنیا کی تمام تہذیبوں کو ختم کر کے صرف مغربی تہذیب کو مسلط کرنا ہے۔تہذیبی حملے نے امریکی لباس کو ترقی اور بلند معیارِ زندگی کی سند بنادیا۔اسی طرح امریکی پکوان اور مشروبات بھی دُنیا بھر میں عام ہو چکے ہیں۔عورتیں مغربی فیشن اور میک اپ کی عادی بن چکی ہیں۔انٹرنیٹ جو تہذیبی عالمگیریت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، جنسی انارکی اور فحاشی کو حد سے زیادہ فروغ دے رہا ہے۔

تہذیبی عالمگیریت کے لیے امریکن انگلش کو عالمی سطح پر فروغ دینے اور عربی زبان کو بالخصوص اور دوسری علاقائی وقومی زبانوں کو بالعموم متروک بنانے کی سازشیں بھی جاری ہیں۔اس وقت پوری دُنیا میں نصف مقامی زبانیں زوال پذیر ہیں اور 234 معاصر زبانیں مکمل طور پر ختم ہو چکی ہیں۔

(4) معاشرتی عالمگیریت

معاشرے کی تبدیلی کے لیے ''خاندان'' کو بدلنا ضروری ہے اور خاندان کا سب سے آسان شکار ''عورت'' ہے جسے استعمال کر کے پہلے ''خاندان'' اور پھر پورے معاشرے کی اخلاقی اقدار تبدیل کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

معاشرتی عالمگیریت اور اقوام متحدہ:

معاشرتی عالمگیریت کے فروغ کے لیے اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی اداروں، نیز عالمی کانفرنسوں نے بڑا کردار ادا کیا ہے۔اقوام متحدہ کا دستور اور چارٹر کی شق نمبر 8 میں صراحت ہے: ''اقوام متحدہ ایسی پابندیاں لاگو نہیں کرے گی جس سے مرد وعورت کے درمیان مساوات کا کوئی بھی پہلو متأثر ہو۔''

1979ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ''عورت کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے'' کے موضوع پر ایک کانفرنس منعقد کر کے تمام دُنیا کی حمایت حاصل کی۔

قاہرہ کانفرنس: ستمبر 1994ء میں مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں آبادی اور ترقی کے موضوع پر عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اتفاق کیا گیا کہ عقد نکاح کے بغیر ہی جنسیت کا عمل ہونا چاہیے، ہم جنس پرستی کو بری نگاہ سے دیکھنے کے بجائے اس کو فروغ دینا چاہیے، جلد شادی نہایت غلط ہے، کیوں کہ یہ شرح پیدائش میں اضافے کا سبب ہے۔

بکین کانفرنس: 1995ء میں ''بکین'' میں خواتین سے متعلق اقوام متحدہ کی چوتھی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں منظور کیا گیا کہ کم سن لڑکے اور لڑکیوں کو جنسی آزادی دینے کی سفارش کی جائے۔ خاندان کا یہ مفہوم رائج کیا جائے کہ ایک خاندان دو انسانوں سے مل کر بنتا ہے، چاہے وہ دو مرد ہوں یا دو عورتیں۔ گھریلو کام کاج ترک کرنے پر عورت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ مسلم ممالک کے احتجاج کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔

عالمگیریت (Globalization) کا مقابلہ کیسے؟

☆ عورتوں اور بچوں کو مغربی اور لادینی اَثرات سے بچانے کے لیے مستقل کوشش کی جائے ☆ میڈیا پر عوامی دباؤ بڑھایا جائے تاکہ غیر اخلاقی مواد کی اشاعت کو مزید آزادی نہ مل سکے۔ ☆ مغربی زبانوں کے مقابلے میں عربی کو فروغ دیا جائے۔ ☆ غیر ملکی زبانوں خصوصاً انگلش کے دائرے کو محدود کیا جائے۔ ضرورت کے بغیر اسے استعمال نہ کیا جائے۔ اپنی زبانوں کو غیر ملکی اَثرات سے پاک رکھیں۔ ☆ غیر ملکی مصنوعات کا حتی الامکان بائیکاٹ کیا جائے۔ ☆ مسلمانوں کو وطنی، علاقائی اور لسانی مفادات پس پشت ڈال کر متحد کیا جائے۔ ☆ اِحیائے خلافت کو اصل ہدف بنا کر کام کیا جائے۔ ☆ ایسی جماعتیں وجود میں لائی جائیں جو مروّجہ سیاست کی آلودگیوں سے پاک رہ کر عوام کو اعتماد میں لیں۔

☆☆☆

ألساحة الرابعة

ألتنصیر، ألتبشیر یا ألردّة

(Christianity mission)

اَہلِ باطل کا آخری ہدف الردّۃ ہے، یعنی وہ مسلمانوں کو مرتد بنانا اور اسلام سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے وسیع پیمانے پر نصرانیت کی تبلیغ کا کام ہو رہا ہے اس لیے ہم نصرانیت کی تبلیغ کا جائزہ لیں گے جسے التنصیر یا التبشیر (Christianity mission) کہتے ہیں۔

ألتنصیر کی تعریف:

" التنصیر " سے مراد وہ تحریک ہے جس کا مقصد غیر نصرانی اقوام کو باضابطہ طور پر نصرانیت میں داخل کرنا ہے۔"

اس تحریک سے وابستہ لوگ مشنری کہلاتے ہیں۔ یہ اپنی مہم کو "ألتنصیر" کی بجائے "ألتبشیر" کا نام دیتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں ہم انسانوں کو مایوسی اور اندھیرے سے نکالتے اور نجات کی بشارت دیتے ہیں۔

تاریخ التنصیر

تحریکِ تنصیر کی داغ بیل تقریباً پانچ صدیاں قبل پڑی تھی۔ اس کی کارگزاری کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ (1) جبراً نصرانی بنانے کا دور۔

(2) تبلیغ اور ترغیب کے ذریعے نصرانیت کی اشاعت۔

(1) جبراً نصرانی بنانے کا دور: جبراً نصرانی بنانے کی مہم سب سے پہلے اسپین میں شروع

ہوئی۔اسلامی اندلس کا خاتمہ ہوا تو ساتھ ہی اسپین کے بادشاہ نے وہاں کے مسلمانوں کو زبردستی نصرانی بنانا شروع کردیا۔پرتگال میں شاہ منوئیل نے بھی یہی کچھ کیا۔افریقہ کی کئی ریاستوں کو بھی اس تجربے کی بھینٹ چڑھایا گیا۔

(2) **تبلیغ وترغیب کے ذریعے اشاعتِ مذہب:** مذہب کو تبلیغ کے ذریعے پھیلانے کا کام پیرس کے سینٹ میری کلیسا کے سات عیسائی طلبہ نے شروع کیا جنہوں نے 15/اگست 1537ء کو مسیحیت کی تبلیغ کا حلف اُٹھایا اور یسوعی فرقے (Jesuit) کی بنیاد رکھی۔اس فرقے کے مقاصد درج ذیل تھے: (۱) رومن کیتھولک چرچ کے عقائد کے مطابق تبلیغِ نصرانیت۔ (۲) تقدس کلیسا بحال رکھنے کے لیے اشاعتِ فقر وزہد۔ (۳) تعلیمی ادارے کھول کر انہیں کیتھولک مذہب کی تعلیم وتربیت کا مرکز بنانا۔

اس طرح نصرانی مذہب کی باقاعدہ تبلیغ شروع ہوئی۔اس کا آغاز پرتگال اور اسپین سے کیا گیا۔پھر یورپی استعمار کے ساتھ ساتھ ان کے مبلغین کی ٹولیاں بھی اسلامی ملکوں میں قدم رکھنے لگیں۔

ہندوستان میں مشنری سرگرمیوں کا تاریخی جائزہ:

ہندوستان میں مشنریوں کی آمد مغل بادشاہ اکبر کے دور میں ہوئی۔ان کی تبلیغ سے اکبر اتنا متاثر ہوا کہ انہیں گرجے بنانے کی اِجازت دے دی۔ بعد میں جہانگیر نے بھی آگرہ اور لاہور میں گرجوں کو زمین فراہم کی اور مراعات کے لیے فرمان جاری کیے۔ان مشنریوں کی پوری کوشش تھی کہ مغلیہ خاندان کے شہزادے ان کا مذہب قبول کرلیں۔شاہ جہان نے جو حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تحریک سے متاثر تھا مشنریوں پر قدغن لگائی۔اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور میں بھی مشنریوں کی سرگرمیاں بندر ہیں مگر اس کے بعد وہ پھر متحرک ہوگئے۔مغل حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ مشنریوں

کا دائرہ کار پھیلتا چلا گیا۔ 1834ء میں ''ویسٹرن فارن مشن'' نے پنجاب کے سکھ راجا رنجیت سنگھ کی اِجازت سے پنجاب میں کام شروع کردیا۔ 1835ء میں چرچ آف اسکاٹ لینڈ اور 1851ء میں ''چرچ مشنری سوسائٹی'' نامی جماعت بھی سرگرم ہوگئی۔ 1857ء کے بعد مسلمان نوابوں سے چھینی ہوئی بڑی بڑی جاگیریں مشنری اداروں کو دی جانے لگیں۔ اس دور میں تعمیر کیے گئے چند مشہور چرچ یہ ہیں: ☆ سینٹ میری چرچ لاہور۔

☆ سینٹ جان چرچ، جہلم۔ ☆ ہولی ٹرینٹی چرچ، سیالکوٹ ☆ کرائسٹ چرچ راولپنڈی۔ ☆ سینٹ لوکا چرچ، ایبٹ آباد۔ ☆ سینٹ جان چرچ، بنوں۔

چند سرگرم عیسائی مشن:

برصغیر میں سرگرم مشنز کی تعداد درجنوں میں تھی جن میں سے چند یہ ہیں۔ پریس بائی ٹیرین فرقہ، دی ایسوسی ایٹ ریفارمڈ پریس بائی ٹیرین چرچ (اے۔ آر۔ پی)، سالویشن آرمی یا مکتی فوج، دی افغان بارڈر کروسیڈ (اے بی سی)، دی چرچ آف کرائسٹ۔

پاکستان میں سرگرم مشنز کا تعلق برطانیہ، امریکہ، سوئزرلینڈ، جرمنی، ہالینڈ، بلجیئم، اٹلی اور اسکاٹ لینڈ سے ہے۔ چاروں صوبوں کے مختلف شہروں میں مختلف مشنوں کے ''بائبل خط وکتابت اسکول'' کام کررہے ہیں۔ بڑے پیمانے پر مسیحی لٹریچر تقسیم کیا جارہا ہے۔ ملک بھر میں 17 بڑے مشن ہسپتال کام کررہے ہیں۔ اکثر وبیشتر مشنری اداروں کو حکومت پاکستان نے ٹیکس سے آزاد رکھا ہے۔

مراحل التنصیر:

مشنریوں کی مہم کے تین اہم مراحل ہیں۔ 1۔ مسلمانوں کے عقائد واعمال کو کمزور کرنا۔ 2۔ مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنا۔ 3۔ مسلمانوں کو نصرانی بنانا۔

☆

وسائل التنصیر

وہ اہم وسائل جن کو استعمال کر کے مسلمانوں کو عیسائی بنایا جاتا ہے درج ذیل ہیں:

1۔اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں: اسلامی ممالک کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں مشن اسکول کھلے ہیں۔ مسلم بچوں کی بہت بڑی تعداد کی تربیت یہی نصرانی اسکول کر رہے ہیں۔

2۔ پرنٹ میڈیا: مشنری عیسائیوں کے سینکڑوں اخبارات و جرائد رسالے اسلامی ناموں سے شائع ہو رہے ہیں جیسے " المحلة الاسلامية " اور "مسلم ورلڈ"۔

3۔الیکٹرونک میڈیا: مشنریوں کے سینکڑوں ریڈیو، ٹی وی اسٹیشن ہیں۔کئی سو ویب سائٹس اسلام کے نام سے کام کر رہی ہیں۔ان نشریات کا انداز بڑا پرکشش ہوتا ہے۔

4۔تعلیمی وفود: اسلامی ملکوں کے ذہین طلبہ کو یورپ اور امریکا کے تعلیمی سیمنارز میں مدعو کیا جاتا ہے جہاں وہ عیسائی مفکرین کے لیکچر سن کر خاصے متاثر ہوتے ہیں۔

5۔مشن ہسپتال طبی اور رفاہی خدمات: مشنری ادارے مختلف شہروں میں ہسپتال اور دواخانے قائم کرتے ہیں۔ ہسپتالوں میں کمرۂ انتظار میں میزوں پر عیسائیت کی تبلیغ پر مشتمل مختصر کتابچے رکھ دیے جاتے ہیں۔

6:بائبل خط وکتابت کورس: گھر بیٹھے مذہبی معلومات میں اضافے اور خوبصورت اَسناد کے حصول کا شوق دلا کر بائبل خط و کتابت کورس کرایا جاتا ہے۔

7:شفا کے لیے دُعائیہ مجالس: مختلف مقامات پر (عموماً چرچ میں) دُعائیہ مجالس منعقد کی جاتی ہیں، شرکت کرنے والے مسلمان ان میں اندھوں اور گونگوں کو شفا پاتا دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ صرف ڈرامہ ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی تین کمزوریاں

مسلم دُنیا کی تین بڑی کمزوریاں ہیں جن سے فائدہ اُٹھا کر مشنری اپنے مقاصد میں

کامیاب ہورہے ہیں۔ 1۔ غربت: 2۔ جہالت: 3۔ اَمراض

مشنریوں کے اہم اَہداف

مشنریوں کی ابلاغی کوششوں میں درج ذیل موضوعات پر زور دیا جاتا ہے۔

1۔ اسلامی عقائد کو مٹانا اور عقیدہ تثلیث کو ثابت کرنا۔

2۔ دین اسلام سے اعتماد ختم کرنا۔

3۔ قرآنِ مجید میں تحریف، معانی میں تبدیلی، مسلمانوں کو قرآنِ مجید سے دُور کرنا۔

4۔ رسالت محمدیہ میں تشکیک۔

5۔ عالم اسلام پر غلبے کے لیے استشراق واستعمار سے تعاون کرنا۔

مشنریوں کے لیے ہدایات اور تربیتی نصاب:

مشنری ادارے اپنے مبلغین اور کارکنوں کی تربیت پر پوری توجہ دیتے ہیں۔ ان کے تربیتی اسکولوں کے نصاب کے پہلے ہی سال میں مسلم فرقوں اور ان کے باہمی اختلافات کا تفصیل سے مطالعہ کرادیا جاتا ہے اور اسلامی تاریخ بھی مکمل پڑھادی جاتی ہے۔ مشنریوں کے تربیتی پروگراموں میں ذہن نشین کرائی جانے والی چند بنیادیں یہ ہیں:

1۔ ایسی پرجوش کتابیں لکھی جائیں جو انسانی ''قلب'' کو کشش کریں جن میں ''گناہ'' اور ''نجات'' کی اہمیت ثابت ہو۔

2۔ اسلام سے اچھی چیزیں لی جائیں اور بتایا جائے کہ ان کی تکمیل کس طرح انجیل میں ہوئی۔

3۔ قرآن کے جو اچھے حوالے ہیں وہ لے کر ثابت کیا جائے کہ یہ باتیں انجیل کے ذریعہ سے پوری ہوتی ہیں۔

4۔ بتایا جائے کہ انسان ''معاشرتی ہستی'' (سوشل بینگ) ہے تو کیا اس کا خالق

سوشل نہیں ہوسکتا، اس لیے ایک سوشل خدا تین خداؤں میں ظاہر ہوا۔

5۔ پرچار کیا جائے کہ ایک ''زندہ بچانے والا'' بہتر ہے نہ کہ ایک ''مردہ پیغمبر''۔

6۔ مسلمانوں میں اپنی بات کی ابتداء مسلمہ سچائیوں سے کریں، خدا کے بیٹے اور تثلیث کے نظریہ کے ابتداء میں اظہار سے مخالفت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے ان میں اپنی بات سننے کے لیے مسیح کی معجزانہ پیدائش، نبوت اور مسیحائی سے آغاز کریں۔ یہ سچائیاں اسلام میں بھی مانی جاتی ہیں۔ اس کے بعد ''آہستہ آہستہ''غیر محسوس طور پر'' ابنِ خدا یا خدا کا بیٹا کی طرف ان کے خیالات کو موڑ دیں۔

7۔ (حضرت) عیسیٰ کے ساتھ مسلمانوں کی طرح ''حضرت'' کا لفظ استعمال کیا کریں اور قرآن کو ''قرآن شریف'' کہا کریں، لوگوں کے سامنے اس کا اَدب کیا کریں، اسے ایسی جگہ نہ رکھیں جو ناپاک ہو اور جس سے مسلمان برا مان جائیں۔

8۔ ہر مشنری کو چاہیے کہ قرآن شریف کی تیس سے پچاس تک آیتیں بالکل صحیح تلفظ کے ساتھ مع تفسیر کے زبانی یاد کرے اور موقع محل کے لحاظ سے مسلمان حاضرین کے سامنے پڑھا کرے۔

مشنریوں کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟

اس سلسلے میں چند اہم سفارشات درج ذیل ہیں۔

☆ علماء اور دانشوروں کو چاہیے کہ اپنے متعلقہ تعلیمی اداروں کے نصاب میں الغزو والفکری، مسیحیت وصیہونیت اور تحریکاتِ جدیدہ کا تعارف شامل کریں۔

☆ نصرانیت کے جوابی لٹریچر اور رجالِ کار تیار کیے جائیں۔

☆ دینی مدارس میں نصرانیت کی تردید پر کام کرنے والے علمائے کرام کو مدعو کر کے طلبہ کو تربیتی کورسز کرائے جائیں۔ یہی کام اسکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں

میں بھی کیا جائے۔ تقابل اَدیان کا مضمون شاملِ نصاب ہونا چاہیے۔

☆ دینی جامعات کے طلبہ مہینے میں کم از کم ایک دن اپنے قرب وجوار کے علاقوں میں دعوتِ حق کا فریضہ اَدا کرنے کے لیے باہر نکلیں۔ غیر مسلموں خصوصاً عیسائیوں کی بستیوں میں جا کر بڑی حکمت سے انہیں اِسلام کی تبلیغ کی جائے۔

☆ ڈاکٹر اور اطباءِ کرام پر لازم ہے کہ وہ خود کو مشن ہسپتالوں کے معالجین سے بہتر ثابت کریں، غریبوں کے لیے فیس میں کچھ گنجائش رکھیں۔ علاج کے ساتھ ساتھ دعوتِ اسلام کو بھی مقصد بنائیں اور ملت کے نادار طبقے کے لیے رفاہی کاموں کی قیادت کریں۔

☆ اَہل ثروت اور مخیرّ حضرات ایسے دارالامان بنائیں جہاں نومسلموں کو پناہ مل سکے اور انہیں اپنے رشتہ داروں اور این جی اوز کے شر سے محفوظ رہ کر حلال روزگار کے ساتھ چین کی زندگی بسر کرنے کا موقع ملے۔

☆☆☆

اَفکار الغزو الفکری

یہاں دو اَہم فکری تحریکوں کا جائزہ لیں گے جو کہ مسلمانوں کی اعتقادی، نظریاتی اور عملی بیخ کنی کر رہی ہیں۔ یہ تحریکیں العَلمانیہ (سیکولرازم) اور التغریب (ماڈرن ازم) ہیں۔

ألعَلمانية : (Secularism)

العَلمانیة یا سیکولرازم کی تعریف یہ ہے: "فَصْلُ الدِّیْنِ عَنِ الدُّوَلِ وَ الْحَیَاة" یعنی دین کو زندگیوں اور حکومت سے الگ کرنا۔ با الفاظِ دیگر اس کا مطلب "لادینیت" ہے۔ سیکولرازم کی ابتداء یورپ میں اصلاح مذہب کی تحریک کے بعد ہوئی۔ یورپ نے یہ دیکھ لیا کہ نصرانیت کی خلافِ عقل تعلیمات زندگی کے حقائق کا ساتھ نہیں دے سکتیں اس لیے اُنہوں نے دین اور دُنیا کو الگ الگ کر لیا۔ اسی طرح بدھ مت اور ہندو مت سمیت ہر مذہب کے پیرو کاروں کو یہ بات سمجھ آ گئی کہ ان کے مذاہب جیتی جاگتی زندگی کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں اس لیے وہ سیکولرازم کے قائل ہو گئے۔ مگر اسلام، زندگی سے فرار نہیں چاہتا بلکہ گھر سے لے کر حکومت تک زندگی کے تمام مسائل کو حل کرتا ہے اور دُنیا کے ہر خطے میں نافذ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی لیے مغربی مفکرین اسلامی دُنیا میں سیکولرازم کو زیادہ شدت کے ساتھ پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

سیکولرازم کے داعی غلط طور پر مسلمانوں کے ذہن میں یہ بٹھاتے ہیں کہ دین اور دُنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں اور دیگر اَدیان کی طرح اسلام بھی زندگی کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس مقصد کے لیے مغرب نے مستشرقین کے شاگردوں کو بطورِ خاص استعمال کیا۔ جو شریعت، سیرت اور تاریخ کو مسخ کر کے سیکولرازم کو قابلِ قبول بنانے کی ناپاک کوششیں کر رہے ہیں۔

سیکولرازم کے بنیادی اہداف: عالم اسلام سے متعلق سیکولرازم کے بنیادی اَہداف یہ ہیں: (1) مسلمانوں کے عقائد میں شکوک وشبہات پیدا کرنا (2) مغرب کے ملحدانہ افکار اور مادیت پرستانہ خیالات کو رواج دینا۔ (3) اسلام کو حکومت، سیاست اور معاشرت سے خارج کر کے مغربی اَقدار کے مطابق ''سیکولر'' حکومتیں تشکیل دینا۔

سیکولرازم کے تین خطرناک حربے: سیکولرازم کے تین اہم حربے ہیں:

(1) جاہلی عصبیت کو فروغ دینا

(2) مسلمانوں کو صالح قیادت سے متنفر کرنا

(3) آزادئ نسواں

ألتغریب: (Moderenism)

التغریب کا مطلب ''مغربیت زدگی'' ہے۔ یہ تحریک بتاتی ہے کہ مذہب ایک فرسودہ اور اَز کار رفتہ چیز ہے، جو چیز حواس، مشاہدے، تجربے اور عقلیت کے زمرے میں نہ آئے وہ قابلِ ترک ہے چاہے وہ قومی رسم ورواج ہو یا مذہبی عقائد واَقدار۔ مغرب خود اِسی راہ پر چل رہا ہے اور دُنیا سے بھی اپنی تقلید کروانا چاہتا ہے اس لیے یہ ''تحریک التغریب'' کہلاتی ہے۔ اِسے ماڈرن ازم یا جدت پسندی بھی کہا جاتا ہے۔ جدت پسندوں کے اہم ترین اَہداف یہ ہیں:

(1) صورتِ اسلام کو مسخ کر کے نیا اسلام تشکیل دینا (2) مسلمانوں کو اپنے ماضی سے شرمسار کرنا (3) مسلمانوں کو موجودہ حالات سے مایوس کرنا (4) مستقبل سے نا اُمید کرنا (5) اُمت کی شخصیت کو موم کی گڑیا بنا دینا (6) ماڈرن ثقافت کا فروغ (7) اسلامی تحریکوں اور قیادتوں کو سبوتاژ کرنا۔

☆☆☆

وسائل الغزو الفکری

اَب ہم ان وسائل وذرائع اور ہتھیاروں کا جائزہ لیں گے جن کو ہمارے حریف ہمارے اَذہان کو تبدیل کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ وسائل درج ذیل ہیں :

1: نظام تعلیم۔ 2: میڈیا۔ 3: معلومات کے ذرائع۔ 4: میدانِ سیاست۔ 5: قانون۔ 6: معیشت وتجارت۔ 7: رفاہی ادارے، این جی اوز۔ 8: جدت پسند اسلامی مفکرین۔ 9: فنون لطیفہ۔ 10: اَدب۔ 11: کھیل کود اور تفریح۔ 12: ثقافتی ہیرو۔ 13 علاقائی تہذیب وثقافت۔ 14: جاہلی عصبیت کا فروغ۔ 15: مسلمانوں کو صالح قیادت سے متنفر کرنا۔ 16: آزادیٔ نسواں۔

(1) تعلیم (Education)

تعلیم اہل باطل کی فکری پیش قدمیوں کا سرچشمہ ہے۔ باطل نظریات کے فروغ میں نظام تعلیم اور نصابِ تعلیم کا بنیادی کردار ہے۔ اس نئے نظام تعلیم سے عالم اسلام کی درسگاہوں میں درج ذیل اہم تبدیلیاں سامنے آئی ہیں:

1۔ تدریسی زبان کی تبدیلی 2۔ رسم الخط کی تبدیلی 3۔ غیر ملکی زبانوں کو لازمی قرار دینا 4۔ دین کا احترام ختم 5۔ لادینیت پر مبنی مواد کی شمولیت 6۔ علمائے دین اور طلبہ دین کی تحقیر 7۔ لادین مدرسین کا چناؤ 8۔ مخلوط تعلیم 9۔ دینی مدارس کے گرد گھیرا 10۔ دینی مدارس اور عصری تعلیمی اداروں میں خلیج۔

نصاب تعلیم کی خصوصیات:

نصاب تعلیم میں درج ذیل خصوصیات پیدا کر دی گئی ہیں۔

☆ مغربی اَقدار کا فروغ ☆ ملحدانہ ومادہ پرستانہ ذہن سازی ☆ تاریخ سے جاہل

رکھنا، غلط تاریخ پڑھانا ☆ مغرب اور مغربی ایجنٹوں کے معائب اور زیادتیوں کو چھپانا ☆ اسلامیات کو محض ایک نظری چیز بنا دینا ☆ جغرافیائی اور سیاسی تقسیمات پختہ کرنا۔

نظامِ تعلیم پر گرفت:

مسلم دُنیا کے تعلیمی نظام کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے گئے ہیں:

(1) عالمی سطح پر یونیسکو (Unesco) اور یونی سیف جیسے علمی و ثقافتی اداروں کا قیام (2) مسلم دُنیا میں مغربی اداروں کے تحت ٹیچر ٹریننگ کورس کے پروگرام (3) تعلیمی شعبے میں غیر ملکی امداد (4) مسلم دُنیا کی تعلیمی وزارتوں پر غیر ملکی ماہرین تعلیم کی اِجارہ داری (5) مسلم درسگاہوں میں غیر ملکی مدرسین اور دانشوروں کی آمد و رفت (6) ذہین مسلم طلبہ کے لیے تعلیمی اسکالرشپس۔

نظامِ تعلیم کے اَثرات:

1۔ ہمارے طلبہ برائے نام مسلمان رہ گئے۔ 2۔ علم دین سے متنفر ہو گئے۔ 3۔ علمِ دُنیا اور علمِ دین کے راستے الگ الگ ہو گئے ہیں۔ 4۔ اربابِ اِقتدار دن بدن دین سے دُور ہو گئے۔ 5۔ مسلمان اپنی علمی وراثت سے قطعاً بیگانہ ہو گئے۔ 6۔ علمی، تمدنی اور سیاسی قیادت مغرب کے پاس چلی گئی۔ 7۔ دین اور اہلِ دین کا سرِعام مذاق اُڑانا معمول بن گیا ہے۔ 8۔ نسلِ نو ذہنی طور پر مغرب کی غلام بن گئی۔

☆

(2) میڈیا (Media)

میڈیا ہر محاذ پر حریف کا سب زیادہ خطرناک اور مؤثر ہتھیار ہے۔ میڈیا پر جس نظریے کا غلبہ ہوتا ہے، عوام اُسی ذہن کو اختیار کر لیتے ہیں۔ ہر جنگ مضبوط اَعصاب کے بل

بوتے پر لڑی جاتی ہے۔ ہمارا حریف میڈیا کے ذریعے ہمارے اعصاب پر حملہ آور ہے اور ہمیں عمومی طور پر مایوسی، کم ہمتی اور کج فکری کا شکار بنا رہا ہے۔

لوگوں کی دو قسمیں اور میڈیا کا شبہاتی اور شہوانی جال:

لوگوں کی دو قسمیں ہیں: (الف) ذمہ دار لوگ۔ (ب) غیر ذمہ دار لوگ۔

میڈیا ذمہ دار لوگوں کو شبہات کے ذریعے پھانستا ہے۔ شبہات پھیلانے کا ذریعہ خبری شعبہ (News) ہے جس میں خبروں اور تجزیوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ غیر ذمہ دار طبقے کو شہوات میں ڈبوتا ہے۔ اس کا راستہ تفریح (Entertainment) ہے۔ جس میں موسیقی، رقص، فلمیں ڈرامے وغیرہ شامل ہیں۔

یہودی لابی اور میڈیا:

اِس وقت دُنیا میں میڈیا پر یہودیوں کی اِجارہ داری قائم ہے۔ ان کے مشہورِ زمانہ پروٹوکولز میں سے بارہویں پروٹوکول میں یہ طے کرلیا گیا تھا کہ دُنیا میں خبروں کے تمام ذرائع یہود کے پاس ہوں گے۔ دُنیا کی مشہور ترین خبر رساں ایجنسیاں رائٹرز، ایسوسی ایٹڈ پریس، یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل اور فرانسیسی نیوز ایجنسی اِنھی کے پاس ہیں۔ میڈیا پر یہودی سرمایہ داروں کی اِجارہ داری کا تناسب 90 فیصد تک ہے۔ میڈیا پر مسلط یہودی اور عیسائی پالیسی سازوں نے تین باتوں پر اتفاق کر رکھا ہے۔

1۔ مسیحی اور یہودی اتحاد پر زد نہیں پڑنے دی جائے گی۔

2۔ امریکی سیاست کی ہمیشہ باعظمت ترجمانی ہوتی رہے گی۔

3۔ سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کی ہمیشہ وکالت ہوگی۔

☆☆☆

(3) ذرائع معلومات: ألاعلام

(Knowledge)

اَہل مغرب نے دُنیا کو درکار معلومات کے راستوں پر تسلط حاصل کرلیا ہے۔ کسی بھی موضوع پر تلاش کیا جانے والا مواد ہمیں عموماً مغربی مصنفین ،مغربی کتب خانوں ،مغربی انسائکلو پیڈیاز اور اِنہی کی ویب سائٹوں سے ملتا ہے۔اس سے لوگ بے دین مصنفین ، صحافیوں اور محققین کی مہارتِ فن اور کارکردگی سے متاثر ہو جاتے ہیں اور بعد میں ان کے دیگر خیالات سے بھی اتفاق کرنے لگتے ہیں۔

(4) میدان سیاست

(Politics)

جمہوری نظام اور سیاست کا میدان مغربی اَفکار واَقدار کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جمہوریت کو فروغ دے کر اسلام کے خالص سیاسی نظام پر یقین رکھنے والے مسلم رہنماؤں کو سیاست سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ جمہوری سیاست کے میدان میں سیاسی پارٹیاں مملکت کے شہریوں کے مطالبات،خواہشات اور اُمنگوں کی ترجمانی کرتی ہیں۔ جمہوری مملکت میں جمہوری عمل اور انتخابات پر یقین رکھنے والی پارٹی ہی کو سیاسی عمل میں کوئی کردار اَدا کرنے کی اجازت مل سکتی ہے۔انتخابی عمل کے نتیجے میں کچھ لوگ عوام کے نمائندے بن کر قانون ساز اداروں میں آتے ہیں جنہیں پارلیمنٹ (ایوانِ زیریں) اور سینٹ (ایوان بالا) کہا جاتا ہے۔ یہاں ملک کا نظام چلانے کے لیے قانون سازی کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔

☆

(5) قانون:(Laws)

باطل نظریات واَفکار کے فروغ کا چوتھا بڑا سرچشمہ غیر اسلامی قانون ہے۔اس وقت اکثر اسلامی ممالک میں مغربی قانون ہی نافذ ہے۔اس کا نفاذ عدالتوں اور بیوروکریسی کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔عدالت وہ اِدارہ ہے جہاں ملک میں رائج قوانین کے تحت مختلف تنازعات کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔ماضی میں ہماری عدالتوں میں صرف فقہ اسلامی کے تحت فیصلے ہوتے تھے مگر اب مغربی قوانین کے نفاذ کی وجہ سے فقہاء، مجتہدین، محدثین اور علماء کی ساڑھے تیرہ سو سالہ محنت برباد ہو کر رہ گئی ہے۔

عدلیہ ملکی قوانین کے مطابق جو فیصلے دیتی ہے،اُسے نافذ کرنے کا کام بیوروکریسی (نوکرِشاہی) انجام دیتی ہے۔اس کا سلسلہ پولیس ،ڈپٹی کمشنز اور گورنرز سے لے کر صدر مملکت تک پہنچتا ہے۔یہ اِدارے قانون کے محافظ اِدارے کہلاتے ہیں مگر حقیقت میں یہ سیکولر اور لبرل نظام کے محافظ ہیں۔

(6) معیشت وتجارت

معیشت وتجارت کا اِستحکام کسی بھی قوم کی ترقی اور اِستحکام کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔دُشمن نے معاشی واقتصادی طور پر عالم اسلام کو محصور کرلیا ہے۔

(7) رفاہی خدمات۔این جی اوز

دُنیا بھر میں مغربی ممالک کے ہزاروں رفاہی اِدارے کام کررہے ہیں جو مسلم ممالک کے پس ماندہ عوام کا اعتماد حاصل کر کے اپنے اَفکار ونظریات کو فروغ دیتے ہیں۔

(8) جدت پسند اسلامی مفکرین

جدّت پسند اسلامی مفکرین اہل باطل کے خاص آلۂ کار ہیں۔مغرب کو راضی کرنے کے لیے اسلام کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

(9) فنون لطیفہ

فنون لطیفہ یعنی موسیقی ،مصوری، مجسمہ سازی ،رقص وسرود وغیرہ پر نفس کی لذتوں کی انتہاء ہو جاتی ہے۔ مسلمان کو بے دین بنانے میں ان ہتھکنڈوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

(10) اَدب

اَدب کے نام پر عشقیہ، اور ملحدانہ نظم ونثر کو فروغ دیا جارہا ہے۔ دین اور خدا کا تمسخر اڑانے والے اَدیبوں اور شاعروں کی جسارت کو قابلِ داد ٹھہرایا جاتا ہے۔

(11) تفریح ،سپورٹس

تفریح اور کھیل کود کے میدان بھی اَغیار کی تہذیبی یلغار کا ایک ذریعہ ہیں۔ کھیل کے میدانوں میں ایمان کش ماحول نسل نو کو دین ومذہب سے بالکل بے گانہ بنا دیتا ہے۔

(12) ثقافتی ہیرو

ثقافتی ہیرو وہ کھلاڑی ،اَداکار اور فن کار ہیں جو معاشرے کے آئیڈیل بن گئے ہیں۔ لوگ ان کے قول کو کسی عالم دین کے فتوے سے زیادہ اَہمیت دیتے ہیں۔

(13) علاقائی تہذیب وثقافت

مغربی دُنیا اَربوں ڈالر خرچ کر کے اسلامی ممالک میں دبے ہوئے ہزاروں سال پرانے آثار اور زمانہ جہالت کے کھنڈراتِ سامنے لا رہی ہے تاکہ مسلمانوں کو علاقائی تہذیب وثقافت کے عنوان سے اِسلامی تاریخ اور شناخت سے برگشتہ کیا جائے۔

(14) جاہلی عصبیت ،قومی ووطنی عصبیت کو فروغ دینا

قومی اور وطنی عصبیتوں کا فروغ ،عالمگیر اسلامی وحدت کو توڑ کر کئی چھوٹی چھوٹی وحدتیں پیدا کر دیتا ہے اور یوں لادینیت کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

(15) مسلمانوں کو صالح قیادت سے متنفر کرنا

لادینی طاقتوں کی خواہش ہے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی صالح قائد نہ رہے۔اس مقصد کے لیے مسلمانوں میں اُبھرنے والی ہر صالح قیادت کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔

(16) ''آزادیٔ نسواں''

حدیث میں عورتوں کو شیطان کا جال کہا گیا ہے۔مغرب اس جال کو پوری عیاری سے استعمال کر رہا ہے۔آزادیٔ نسواں کا نعرہ لگا کر خود عورت کو گمراہ کیا گیا اور پھر عورتوں کو بازاری جنس بنا کر ان کی تذلیل اور مردوں کی گمراہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔اسلامی دُنیا میں آزادیٔ نسواں کے نعرے کے پیچھے اہلِ باطل کے تین بڑے مقاصد ہیں۔

1۔ **اسلامی اخلاق و معاشرت کی بربادی:** اسلامی اعلیٰ اَخلاق واَقدار مغرب کے لیے حسد کا باعث بن گئی تھیں۔پس وہ انہیں برباد کرنے پر تل گئے۔

2۔ **اسلامی معاشرہ کی خصوصیات کا خاتمہ:** وہ مسلمانوں کے ہاں رائج عفت وعصمت کے مثالی نظام کو تہس نہس کرنے پر اس لیے بھی آمادہ ہوئے تاکہ اسلامی معاشرے کی طرف غیر مسلموں کے رجحان کا امکان نہ رہے۔

3۔ **مسلمان عورتوں کو بازاری جنس بنادینے کی قدیم خواہش:** مسلمان عورتیں گزشتہ تیرہ صدیوں سے مستور تھیں۔اہلِ مغرب نے اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لیے مسلمان عورت کا ذہن تبدیل کر دیا تاکہ وہ خود ان کی جھولی میں آگرے۔

آزادیٔ نسواں کے لیے پروپیگنڈا مہم:

آزادیٔ نسواں کو فروغ دینے اور مسلم عورت کا ذہن بدلنے کے لیے اہلِ مغرب نے جو پروپیگنڈا مہم شروع کر رکھی ہے اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام میں عورت مظلوم

ہے۔وہ ہر معاملہ میں مردوں کے رحم وکرم پر ہوتی ہے۔اسلام کو عورت کے بنیادی حقوق کا غاصب مذہب قرار دیا جاتا ہے۔ (نعوذ باللہ)

اِس سلسلے میں درج ذیل نکات خاص طور پر اُٹھائے جاتے ہیں:

(1) اسلام میں عورت کو گھر کا قیدی بنادیا گیا ہے۔(2) عورت کو خودکفیل ہونے اور کمائی کے لیے باہر نکلنے سے منع کیا ہے۔ (3) اسلام نے تو عورتوں کو ناقصات العقل قرار دیا ہے۔ (4) اسلام میں عورت کو میراث میں مردوں سے کم حصہ دیا جاتا ہے۔ (5) اسلام میں طلاق کا حق صرف مردوں کو دیا گیا ہے۔(6) مردوں کو بیک وقت چار چار شادیوں کی اجازت ہے مگر عورت کو نہیں۔(7) عورت کی گواہی نصف مانی جاتی ہے۔

مستشرقین کے گھڑے ہوئے اِن اعتراضات کا پرچار کر کے مسلمان عورت کو خالص اِسلامی اَقدار سے برگشتہ کرنے کا کام تقریباً ڈیڑھ صدی سے جاری ہے۔

1913ء میں ایک باقاعدہ سازش کے تحت ایسی جدت پسند مسلمان عورتوں کو سامنے لایا گیا جنہوں نے سرِ عام نقاب اُتارے اور برقع وچادر کو اُٹھا کر پھینک دیا۔مصر میں ھدیٰ شعراوی پہلی عورت تھی جس نے پردے کے خلاف آواز اُٹھائی۔

1923ء ''مؤتمر النساء'' کے نام سے اٹلی کے شہر روم میں خواتین کی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ھدیٰ شعراوی نے برقع اُتار کر اپنے پاؤں کے نیچے رکھا اور اُسے مسل کر اعلان کیا: ''آج کے بعد پردے کا رواج ختم۔جو عورت جس طرح کا چاہے لباس پہنے۔''

☆

آزادیٔ نسواں کے نقیب بے پردگی کی دعوت پانچ مراحل میں دیتے ہیں:

پہلا مرحلہ نقاب کھولنا: قرآن پاک کی آیات اور احادیث کی غلط تاویلات کر کے عورتوں کو نقاب کھولنے یا برقعے کو اُتارنے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔

دوسرا مرحلہ: غیر محرم مردوں سے میل ملاپ: عورتوں کو مردوں کے ساتھ ملنے جلنے اور مخلوط تقاریب میں شریک ہونے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ نرسری اسکولوں میں بچے اور بچیوں کے اکھٹے بیٹھنے سے مخلوط ماحول ان کی عادت بن جاتا ہے۔

تیسرا مرحلہ: چہار دیواری کی قید سے آزادی: گھر سے باہر قدم رکھ کر دُنیا کا نظارہ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس کے لیے جدت پسند مسلمان قائدین کی بیگمات کو نمونہ بنا کر بھی پیش کیا جاتا ہے۔

چوتھا مرحلہ: مردوں کے شانہ بشانہ کام کاج: مخلوط ماحول میں وقت گزارنے والی جدید عورت مردوں کے شانہ بشانہ کام کے لیے بہت جلد تیار ہو جاتی ہے اور تعلیم، تجارت اور ٹرانسپورٹ سے لے کر فوج پولیس اور سیاست تک مردوں کے سنگ سنگ کام کرتی ہے۔

پانچواں مرحلہ: فن وثقافت میں عورت کی آمد: پانچویں مرحلے میں عورتوں کو زیادہ آمدن اور شہرت کا لالچ دے کر ماڈل، اَداکارہ، رقاصہ اور کال گرل بنا دیا جاتا ہے۔

بے پردگی کے مفاسد

بے پردگی کے بے شمار مفاسد ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

1۔ میاں بیوی میں بداعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔ 2۔ گھروں میں محبت کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ محبت سے محروم ہو کر اولاد آوارہ ہو جاتی ہے۔ 3۔ خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے، لہٰذا جب خاندان بگڑتے ہیں تو پورا معاشرہ برباد ہو جاتا ہے۔ 4۔ بے پردہ ماحول اور عصمت سے ناآشنا معاشرے میں خاندانی نظام ختم ہو جاتا ہے۔

مغرب میں عورت کو کیا ملا؟

مغرب میں آزادیٔ نسواں کے کھوکھلے نعرے کی حقیقت عیاں ہو چکی ہے۔ مغربی

عورتیں اب بھی شوہروں کے تشدد کا شکار ہیں۔زنا کی قانوناً اجازت کے باوجود ہر سال ہزاروں کی تعداد میں زنا بالجبر کے کیس رجسٹرڈ ہوتے ہیں۔اسکول میں پڑھنے والی بچیوں کے ماں بننے کے واقعات اِتنے بڑھ چکے ہیں کہ کم سن ماؤں کے الگ اسکول بن چکے ہیں،ان مفاسد کو دیکھنے کے بعد یورپ میں یہ تحریک شروع ہوچکی ہے کہ آزاد عورت کو دوبارہ گھریلو عورت بنایا جائے تاکہ خاندان کا تصور دوبارہ فروغ پاسکے۔

☆

کیف نقاوم الغزو الفکری؟

ہم الغزو الفکری کا مقابلہ کیسے کریں؟

جنگ لڑنے سے پہلے کیا دیکھا جاتا ہے!!

☆ ہمارا مقابلہ کس سے ہے؟ دشمن کون ہے؟ ☆ دشمن کا حملہ کس سمت سے ہو رہا ہے؟ ☆ اس کے اَہداف کیا ہیں؟ ☆ مقابلے کا میدان کونسا ہے،کیسا ہے؟ ☆ جنگ کے ہتھیار کیا کیا ہیں؟ ☆ ہماری پوزیشن کیسی ہے؟

یعنی ہماری قوتیں کیا ہیں جن سے ہم کام لے سکتے ہیں اور کمزوریاں کونسی ہیں جن سے ہمیں بچنا ہے۔☆ دشمن کی پوزیشن کیا ہے؟ یعنی اس کی قوتیں کیا ہیں،اور کمزور پوائنٹ کونسے ہیں جن پر ہم کارگر حملہ کرسکتے ہیں؟

ایک بھرپور جنگ جس میں کامیابی کی اُمید کی جاسکے،تب ہی لڑی جاسکتی ہے جب پہلے سے مذکورہ نکات کا جواب ہمارے پاس ہو۔

ہماری کمزوریاں

اس جنگ میں ہماری بارہ بڑی کمزوریاں ہیں جن سے عیار دشمن پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔

(1) ایمانی کمزوری (2) اعمال کی کمزوری (3) علمِ دین کی کمزوری (4) علمِ دُنیا کی کمزوری (5) صحت کی کمزوری اور اَمراض (6) اقتصادی کمزوری اور سودی معیشت (7) میڈیا وار میں ہماری کمزوری (8) سیاسی اَبتری (9) مخلص اور اہل قائدین کا انحطاط (10) غربت (11) جمود اور تعطّل (12) نظم وضبط کی کمی۔

ہماری قوتیں

ہماری اَہم ترین قوتیں درج ذیل ہیں:

(1) ہمارا برحق ہونا (2) اللہ کی معیت ونصرت (3) حوصلہ بڑھانے والے وعدے (4) فتنوں کی پیش گوئیاں اور آنے والے امتحانات کی خبریں (5) دلوں کو مسخر کرنے کی حقیقی طاقت (6) محفوظ شریعت (7) افرادی قوت (8) جغرافیائی حیثیت (9) معدنی دولت۔

دشمن کے کمزور پہلو

ہمارے حریف کے کمزور پہلو یہ ہیں:

(1) باطل عقیدہ ونظریہ (2) بے چین روح اور مضطرب ذہن (3) کھوکھلا معاشرہ ،کمزور خاندانی نظام (4) موت کا خوف ،حبِ دُنیا (5) غرور ونخوت ،غیظ وغضب ،انتقامی جنون اور عجلت پسندی (6) تباہ ہوتی معیشت (7) افرادی قلّت (8) اندرونی انتشار۔

کام کے طریقے

اپنی اور اپنے حریف کی قوتوں اور کمزوریوں کو سمجھنے کے بعد ہمیں کام کا آغاز کرنا ہے۔اس سلسلے میں ہم درج ذیل باتیں سمجھیں گے۔

☆ ہمارے اَہداف کیا ہوں گے؟ ☆ کن اوصاف کے ساتھ کام کرنا ہے؟

☆ کن پر کام کیا جائے گا؟ ☆ کن میدانوں پر تسلط حاصل کرنا ہوگا؟
☆ ہتھیار کیا ہوں گے؟ ☆ کن مراکز سے توانائی لی جائے گی؟

ہمارے اَہداف کیا ہوں گے؟

اَلغزو الفکری کے لیے ہمارے اَہداف درج ذیل ہوں گے۔

(1) اللہ کی خوشنودی (2) بندوں کا اللہ کی طرف رجوع (3) اپنی ان تمام کمزوریوں کو دُور کرنا جو باطل کو پنپنے کا موقع دیتی ہیں۔ (4) استعمار، استشراق، التنصیر اور عالمگیریت کے خطرات کا مقابلہ (5) اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا تدارک (6) خلافتِ اسلامیہ کے لیے اَذہان کو ہموار کرنا (7) غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت (8) شریعت کا نفاذ اور اسلامی معاشرے کے ایک مکمل نمونے کی تشکیل (9) پوری دُنیا میں اسلام کا فکری و نظریاتی غلبہ۔

کام کرنے کے لیے لازمی اَوصاف:

کام کرنے کے لازمی اَوصاف درج ذیل ہیں۔

(1) ایمان محکم (2) خلوصِ نیت (3) ذکر اللہ کی کثرت (4) رزقِ حلال اور صدقہ وخیرات (5) زہد وقناعت، سادہ زندگی (6) ادائیگی واجبات اور ترکِ منکرات (7) حقوق العباد کی ادائیگی (8) ضروری علم دین (9) اُمت کی فکر (10) حالاتِ حاضرہ اور تاریخ سے آگاہی (11) استقامت

کن پر کام کرنا ہے؟

الغزو الفکری میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمارے مخاطب کون ہوں گے؟ ہماری محنت کا محور کون ہوں گے۔

(1) اپنی ذات (2) گھر کے اَفراد، اہل وعیال (3) برادری، محلّہ (4) غریب

طبقات(5)اُصحابِ ثروت(6)طلبہ(7)خواتین(8)بچے(9)رول ماڈل (10)حکام۔

ہمارے کام کے میدان:

وہ میدان جن میں ہمیں دخیل ہوکر الغزو الفکری کے معرکے لڑنا ہیں، درج ذیل ہیں:

(1)ایمان کامل اوراعمالِ صالحہ کی طرف دعوت کا میدان(2)سیاست کا میدان(3)غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کا میدان(4)دینی مدارس کا قیام اورترقی(5)مساجد اور خانقاہوں کی آبادی(6)دینی ماحول کی حامل عصری علوم کی معیاری درسگاہوں کا قیام(7)عصری تعلیم گاہوں، اسکولوں، کالجوں، یونی ورسٹیوں کا رُخ درست کرنا اوران کے طلبہ، اَساتذہ وانتظامیہ کودین کے قریب لانا(8)میڈیا(9)مسلم دُنیا کی تجارت ومعیشت کو اسلامی خطوط پر اُستوار کرکے مضبوط اورخودکفیل بنانا(10)رفاہی خدمات کا دائرہ پوری دُنیا میں پھیلانا(11)شرعی حدود میں کھیل کود، تفریح، دلچسپ ومعلوماتی سرگرمیوں کوفروغ دینا۔

ہمارے ہتھیار کیا ہوں گے؟

ہتھیار وہی ہوں گے جن کا ذکر وسائل الغزو الفکری میں گزر چکا ہے۔

ہماری توانائی کے ذرائع: (ہمارے مراکز)

ہماری توانائی کے ذرائع تین ہیں: (1) مسجد(2)مدرسہ(3)خانقاہ

یہی ہمارے تین بنیادی مراکز ہیں۔ تمام کاموں میں ان مراکز سے دم بدم رابطہ ضروری ہے۔

حصّۂ دوم

مذاہب ونظریات

ہندومت

ہندومت کا قدیم نام ''برہمیہ'' ہے جو ہندوؤں کے معبود برہمان کی طرف منسوب ہے۔قدیم اَدب میں ''ہندو'' سے مراد کسی خاص مذہب کے پیروکار نہیں بلکہ خاص وطن کے لوگ ہیں۔ اُس دور میں مسلمان ان لوگوں کو ''ہندو'' کہا کرتے تھے جو دریائے سندھ کے مشرق میں آباد تھے۔ چونکہ ہندوستان کی اکثریت اِسی برہمیہ مذہب کی پیروکار تھی اس لیے رفتہ رفتہ مذہب کا نام ہی ہندومت پڑ گیا۔

ہندو مذہب: ہندومذہب کی اصطلاحی تعریف کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس کے بنیادی عقائد تک متفقہ اور طے شدہ نہیں ہیں۔اس کی کوئی الہامی کتاب ہے نہ کوئی پیغمبر یا مؤسس۔اس کے معتقدات متضاد ہیں ،اوران کے ثبوت کے لیے صرف کچھ افسانوی داستانیں ہی ہیں۔

ہندو ذہن درحقیقت ایک غیر متفکرانہ مزاج رکھتا ہے جس میں وہم ،خوف اور عدمِ تحفظ کا احساس غالب ہے۔وہ محسوسات کو فکر ونظر پر اور توہمات کو محسوس تجربات پر ترجیح دیتا ہے۔ اِسی لیے اس میں ہر ایسی شے کو معبود قرار دے دیا جاتا ہے جس سے خوف یا اُمید وابستہ ہو جائے۔زمین ،آسمان ،دریا، پودے ،گائے ،سانپ اور بندر تک کی پوجا کی جاتی ہے۔ہندوؤں کے عقائد بھی کسی ایک جگہ مرتب شکل میں نہیں ملتے۔جواہر لعل نہرو جیسا آدمی بھی ہندومت کے عقیدے کو مبہم اور غیر مرتب تسلیم کرتا ہے۔وہ لکھتا ہے:

> ''ہندومت ایک مذہب اور عقیدے کی حیثیت سے مبہم وغیر مرتب اور بہت سے پہلو رکھنے والا ہے۔''

بھارت کے سابق صدر ڈاکٹر رادھا کرشن لکھتے ہیں:

''ہندو دھرم میں مختلف خیالات اور دھرموں کا جذب وانجذاب اس درجہ پر پیچ، دقیق اور پراسرار اور مسلسل رہا ہے کہ اس کے نتیجے میں مخصوص تہذیب اُبھری۔ وہ نہ آرین تہذیب ہے نہ دراوڑ تہذیب اور نہ قدیم تہذیب۔''

خدا کا تصور: ہندو دھرم ایک طرف تو وہ توحید کا قائل نظر آتا ہے جیسا کہ تھر وید میں ہے: ''ایشور جو تمام دُنیا پر محیط ہے بالیقین سب جگہ حاضر وناظر ہے۔ وہ ایشور ایک ہی ہے۔'' اسی طرح ''یجروید'' میں اوم کے متعلق لکھا ہے:

''وہ سب کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ خود کسی سے پیدا نہیں ہوا۔ وہ خود اپنی قدرت سے قائم ہے۔ ان صفات سے موصوف ہے ستی مطلق، عین العلم اور عین راحت ہے۔''

مگر اس کے ساتھ ساتھ جس قدر شرک ہندو مذہب میں ہے کسی اور مذہب میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اس شرک کا ہندوؤں کے نظریے ''ہمہ اوست'' سے گہرا تعلق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام دیوی، دیوتا، اور سارے مظاہرِ قدرت جیسے ہوا، آگ، دریا دراصل ایک ہی عظیم قوّت کے مختلف روپ ہیں۔ اس لیے ان اشیاء کی عبادت خدا ہی کی عبادت ہے۔ اسی نظریے نے آگے چل کر حلول کا تصور بھی اپنا لیا جس کا مطلب ہے کہ خدا مختلف جسموں اور صورتوں میں داخل ہو کر سامنے آیا کرتا ہے۔

عقائد

ہندو مت کے معتقدات کے بنیادی اُصول تین ہیں:

(۱) خدا پر ایمان (۲) ویدوں پر ایمان (۳) آواگون یعنی عقیدہ تناسخ پر ایمان

خدا پر ایمان رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں بھی ہندوؤں میں دو گروہ ہیں۔ ایک آستک (خدا پرست) اور دوسرا ناستک (خدا کا منکر)۔ گاندھی جی کے بقول ''خدا پر ایمان نہ رکھتے ہوئے بھی ایک شخص خود کو ہندو کہہ سکتا ہے۔''

(ا) خدا پر ایمان:

ہندوؤں میں ''معبود'' کا تصور محسوس خدا کا ہے، جس چیز کو انسانی حواس نہ پا سکیں وہ اس قابل نہیں کہ اس کی پرستش کی جا سکے۔ اس تصور کے تحت ہندو دیو مالائی ادب میں کم از کم 4 کروڑ 35 لاکھ ایسی شخصیات اور اشیاء ہیں جنہیں ہندو اپنے عقائد کے مطابق دیوی، دیوتا مانتے ہیں۔ یہ دیوتا زمین و آسمان کی تمام قوتوں کے مالک ہیں لیکن بارہا انسان سے شکست بھی کھا جاتے ہیں۔ ہندو لٹریچر میں اس کی متعدد مثالیں ہیں مثلاً رام چندر جی کے بھائی لکشمن کہتے ہیں:

''یہ بالکل محال ہے کہ میرے بھائی کو تمام دیوتا مل کر بھی شکست دے سکیں۔''

ہندوؤں کے بڑے دیوتا تین ہیں۔ برہما، وشنو اور شیو۔ ان تینوں پر ہندو تثلیث قائم ہے، اس نظریے کو ''تری مورتی'' کہا جاتا ہے۔ اس تثلیث میں برہما سب سے اعلیٰ ہے، وہ خالقِ کائنات ہے۔ اس نے دُنیا کو عدم سے پیدا کیا مگر کائنات کو پیدا کرنے کے بعد اس کا نظامِ کائنات سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ چونکہ ہندو مادہ پرستانہ ذہنیت کے مالک ہیں وہ برہما کو نہیں پوجتے کیونکہ وہ تو صرف روح ہے۔

وشنو موجودات کی حفاظت اور بقا کا ذمہ دار ہے، اس کی زوجہ لکشمی دولت و ثروت کی علامت ہے۔ وشنو ضرورت کے وقت انسان میں حلول کر جاتا ہے اور جانوروں حتیٰ کہ پودوں کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے۔

شیو، یا شیوا وشنو کی عین ضد ہے، وہ فطرت کی ساری کاروائیوں کا نگران ہے۔ تعمیر و تخریب کی ساری قوتوں کا مالک ہے۔ ہندوؤں کے اکثر سنیاسی، سادھو اور سیاسی رہنما اِسی دیوتا کے پجاری ہیں۔ شیو کے ہر نام کے شروع میں ''اوم'' آتا ہے۔ شیو کا خاص ہتھیار ترشول ہے جس کے نام پر بھارت نے ترشول میزائل بنایا ہے۔

(۲) ویدوں پر ایمان:

ہندوؤں کی مذہبی کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱) وید (۲) پُران (۳) اُپشند (۴) مہابھارت (۵) بھگوت گیتا (۶) رامائن

وید چار ہیں: رِگ وید، اتھر وا وید، سام وید، یجر وید۔ ماہرین کے مطابق وید تین سے چار ہزار سال قبل لکھے گئے۔ یہ آریاؤں کی پرانی زبان سنسکرت میں ہیں۔ پران پہلے ایک تھا۔ اب اٹھارہ ہیں۔ ان میں پُران اور اُپ پران زیادہ مشہور ہیں۔ مہابھارت تاریخ ہند کا سب سے بڑا ماٴخذ ہے جو رزمیہ نظموں پر مشتمل ہے۔ اس کا موضوع بعض آریہ قبائل کی جنگ ہے، ضمناً کئی قصے کہانیاں بھی موجود ہیں۔ بھگوت گیتا دراصل مہابھارت ہی کا ایک حصہ ہے جسے غیر معمولی اہمیت دی جاتی ہے۔ اس میں ان طویل نصیحتوں کا ذکر ہے جو سری کرشن نے ارجن کو کی تھیں۔ رامائن رام چندر نامی ایک شخص کے کارناموں کی داستان ہے، جو ہندوؤں کے دعوے کے مطابق چار ہزار سال قبل گزرا ہے۔ رامائن مغربی بنگال اور بہار کی مذہبی روایات کی آئینہ دار ہے۔

ہندوؤں کی ان مذہبی کتب کی ثقاہت کس حد تک ہے۔ اس بارے میں مشہور ہندو دانشور سوامی دیانند نے لکھا ہے:

> ''مہارشیوں کے نام سے من گھڑت غیر ممکن افسانوں سے پُر کتابیں بنائیں، ان کا نام پُران رکھ کر کتھا بھی سنانے لگے''۔ (ص:402۔11/39)

> ''سب تنتر گرنتھ، پران، اُپ پران، بھاشا، رامائن تلسی داس، کمنی منگل وغیرہ اور دیگر سب بھاشا گرنتھ یہ سب طبع زاد اور باطل کتابیں ہیں۔''

پنڈت جواہر لعل نہرو کا کہنا ہے:

> ''رامائن اور مہابھارت الف لیلوی داستانیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔'' (جاگو ہندو جاگو)

(۳) آواگون، پورم جنم، تناسخ

ہندوؤں کے نزدیک زندگی لامتناہی ہے۔آدمی نے ایک جنم میں اگر اچھے کام کیے تو اگلے جنم میں اچھی صورت میں جنم لے گا اور یہی اس کے لیے سورگ (جنت) ہے اگر برے اعمال کیے تو اگلے جنم میں ایک ذلیل جانور کی شکل میں آئے گا اور یہی اس کے لیے نرگ (دوزخ) ہے۔اس طرح ہر شخص سات جنم لیتا ہے۔

رسومات، تہوار

ہندومت رسومات اور تہواروں کے بل پر چلتا ہے۔درجنوں تہوار اور سینکڑوں رسومات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

دیوالی...... لکشمی کا تہوار: یہ ہندوؤں کا سب سے مشہور تہوار ہے، دیوالی کی رات ہر ہندو چراغ جلا کر لکشمی دیوی کی آمد کی اُمید رکھتا ہے۔آتش بازی کی جاتی ہے، قمقمے لگائے جاتے ہیں، گائیں بھی سجائی جاتی ہیں کیونکہ جنوبی ہند کے ہندو گائے کو لکشمی دیوی کا اُوتار سمجھتے ہیں۔

ہولی: اصل میں یہ موسم بہار کا تہوار ہے مگر اِسے مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے، اس میں ایک دوسرے پر رنگ پھینکے جاتے ہیں۔

بسنت: یہ بھی موسم بہار کا تہوار ہے۔ہندو یہ تہوار ایک گستاخ رسول کی یاد میں مناتے ہیں جسے لاہور کے مسلمان گورنر نے قتل کروادیا تھا۔

ستی: ہندو بیواؤں کو اپنے شوہر کی چتا (لاش) کے ساتھ جل کر مرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔اسے ستی کہتے ہیں۔اس طرح جل کر مرنے والی عورت ستی دیوی کہلاتی ہے۔ بھارت میں ستی پر پابندی ہے۔

بھینٹ: (قربانی): ہندو مذہب کے مطابق دیوی دیوتاؤں کو کاروبارِ دُنیا چلانے کے لیے جسمانی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے، بھینٹ چڑھانے سے ان کی طاقت بحال ہوتی ہے، نیز ان کی خوشنودی ملتی ہے اور دلی مرادیں بر آتی ہیں۔ بھینٹ جانوروں سے لے کر انسانوں تک کی دی جاتی ہے۔

ہندو مذہب کی تاریخ

ہندو مذہب کم اَز کم چار ہزار سال قدیم ہے۔ اس کے اصل بانی آریہ تھے جو دو ہزار سال قبل از مسیح وسطِ ایشیا کے میدانوں میں مویشیوں کے لیے چارے کی کمی کی وجہ سے نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ یہ قبائل ایران اور افغانستان سے ہوکر ہندوستان میں داخل ہوئے۔ اور یہاں کے مقامی اَفراد کو جنہیں ''دراوڑ'' کہا جاتا تھا شکست دے کر یہاں آباد ہوئے۔ دراوڑوں اور آریاؤں میں میل جول بڑھا تو عقائد اور رسموں کا تبادلہ ہوا اور یوں ہندو مذہب وجود میں آیا۔

ذات پات: ہندو اِزم میں ذات پات کے نظام کے بانی برہمن ہیں۔ برہمنوں نے یہ مشہور کررکھا تھا کہ وہ برہما کے منہ سے پیدا ہوئے ہیں، اور دھرم رکھشا یعنی مذہب کی حفاظت اِنہی کا کام ہے۔ اُنہوں نے خود کو خدا کا نائب اور ہر قسم کے محاسبے سے بالاتر قرار دیا۔ نجات کے لیے اپنی پیروی کو لازم ٹھہرایا اور دیوتاؤں کی بھینٹ کے نام پر مندروں کو اپنے لیے مستقل آمدن کا ذریعہ بنالیا۔

اِس کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے حکومتی ذمہ داریوں کا جھنجھٹ آریہ قبائل کے سرداروں کے سپرد کردیا۔ یہ طبقہ کھشتری کہلانے لگا۔ سیاست اور عسکری اُمور انہی کے سپرد ہیں۔ پیداوار اور دُنیاوی کاروبار ان مقامی باشندوں کے ذمے رہنے دیا گیا جو پہلے سے کاشتکار، صنعت کار، ہنرمند، تجارت پیشہ یا دولت مند تھے۔ انہیں ''ویش'' کا نام دے دیا گیا۔

خدمت کے کام محکوم اَقوام کے غریبوں فقیروں کے سپرد کر دیے گئے اور انہیں ''شودر'' کا نام دے دیا گیا۔ یہ لوگ نسل در نسل نوکر چاکر قسم کے لوگ بن کر رہ گئے جو کسی زیادتی پر احتجاج بھی نہیں کر سکتے۔ یہ تقسیم نسلی تھی یعنی برہمن کی اُولاد برہمن اور کھشتری کی اولاد کھشتری ہوگی۔ ویش کی نسل ویش اور شودر کی نسل ہمیشہ شودر ہی رہے گی۔

منوشاستر: منو نامی ایک برہمن نے ''منوشاستر'' لکھ کر ذات پات کے اس نظام کو باقاعدہ ضابطوں کی شکل میں ڈھال دیا۔ منوشاستر برہمن کے مطابق:

> ''جو کچھ اس دُنیا میں ہے برہمن کا مال ہے کیونکہ وہ خلقت میں سب سے بڑا ہے، سب چیزیں اِسی کی ہیں۔'' (باب اول)

> ''برہمن کو ضرورت ہو تو وہ اپنے بے خطا شودر غلام کا مال جبراً بھی لے سکتا ہے، اس غصب سے اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا کیونکہ غلام صاحب جائیداد نہیں ہو سکتا اس کی کل اَملاک اس کے مالک کا مال ہے۔'' (باب ہشتم)

> ''جس جرم کے عوض دوسری ذات والوں کو موت کی سزا دی جائے گی، اس جرم میں برہمن کا صرف سر مونڈا جائے گا۔''

ہندوؤں کے مذہبی نشانات:

تلک: یہ سفید رنگ کے ذریعے ماتھے پر لگایا جانے والا عمودی نشان ہوتا ہے۔

قشقہ: یہ سرخ رنگ کے ذریعے ماتھے پر لگایا جانے والا اُفقی نشان ہے۔

تلک اور قشقہ بھگوان سے خاص رابطہ رکھنے کی علامت ہیں۔ ہندو عورتوں کے ماتھے پر بھی سرخ رنگ کی لکیر کھینچی جاتی ہے، جوان کے سہاگن ہونے کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔

☆

ہندو مذہب کے فکری اثرات:

ہندوازم نے اپنی تمام تر کمزوریوں اور بودے پن کے باوجود کم علم ہندوستانی مسلمانوں کو شدید متأثر کیا ہے۔شادی، غمی، میلوں، تہواروں اور وضع قطع میں بھی مسلمان ہندوازم سے متأثر ہیں۔تہذیب کے ساتھ ساتھ معتقدات پر بھی ہندوازم کا اثر پڑا ہے۔قبر پرستی، غیر اللہ سے امدادِ غیبی طلب کرنا، عرس منانا اور بڑی حد تک ہندوازم کی مشابہت ظاہر کرتا ہے۔

ہندو میڈیا کی یلغار: مذکورہ اثرات اُس دور کے تھے جب ہنود نے فکری یلغار کی کوئی منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔مگر دورِ حاضر میں وہ میڈیا کے لاؤلشکر کے ساتھ مسلمانوں کی تہذیب اور فکر ونظریات پر حملہ آور ہیں۔نہ صرف پاک وہند بلکہ عرب اور یورپ کے مسلمان بھی اس مہم سے متأثر ہو رہے ہیں۔بھارتی میڈیا، بالی وڈ کی فلمیں اور ٹی وی چینل پاکستان کے اکثر گھروں میں دیکھے جاتے ہیں جن سے اسلامی اَقدار کی دھجیاں اُڑ رہی ہیں، اور لوگ غیر شعوری طور پر اسلامی عقائد سے منحرف ہو رہے ہیں۔

فتنۂ اِرتداد: میڈیا کی یلغار کے ساتھ متعصب ہندو تنظیمیں بھارت میں مسلمانوں کی جہالت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انہیں ہندو مذہب قبول کرنے کی ترغیب دے رہی ہیں، اس مہم کو عرف عام میں ''شدھی'' کہتے ہیں۔اس کے کارکن مسلمانوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ تم پہلے ہندو تھے، مسلمان بادشاہوں نے تمہارے آباء واَجداد کو زبردستی مسلمان بنایا تھا مگر اَب تم آزاد ہو۔مسلمان رہو گے تو تمہاری کوئی مدد ہوگی اور نہ جان ومال کی حفاظت، نہ تم کو نوکریاں ملیں گی نہ تعلیم، اس طرح اَن گنت مسلمان ہندو بنائے جا چکے ہیں۔

☆☆☆

بدھ مت

بدھ مت کے بانی گوتم بدھ کا اَصل نام سدھارتھ تھا، اُس کا تعلق چھٹی صدی قبل اَز مسیح کے دور سے ہے۔ وہ کپیلا کے راجا کا بیٹا اور ولی عہدِ سلطنت تھا، وہ ایک مدت تک غور و فکر مراقبے اور ریاضتوں کے ذریعے نجات کے طریقے کی تلاش میں رہا۔ اور پھر ایک نیا مذہب پیش کیا۔ گوتم بدھ کا پیغام یہ تھا کہ دُنیا کی زندگی کوئی چیز نہیں، لہٰذا اس سے دل نہیں لگانا چاہیے، بدھ کی تعلیم میں خدا کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اُس نے خود بھی کبھی خدائی کا ہرگز دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اُس نے خود کو صرف ایک اَخلاقی رہنما کے طور پر پیش کیا تھا۔

ہندوستان میں بدھ مت کا عروج آٹھ نو صدیوں تک رہا۔ پھر رفتہ رفتہ ہندومت اور بدھ مت اپنے اُصولی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے قریب آتے گئے حتیٰ کہ بدھ مت ہندوستان میں ختم ہوگیا۔ بدھ مت کے دو بڑے فرقے ہیں۔ ہنایانا اور مہایانا۔

ہنایانا فرقہ:

اِس فرقے نے بدھ مت کے اَخلاقی اُصولوں کو ایک باقاعدہ مذہب بنانے کی کوشش کی اور اس میں الٰہیات کا اضافہ اس طرح کیا کہ گوتم بدھ ہی کو اُلوہیت کا درجہ دے دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کو متأثر کرنے کے لیے ان کے بہت سے دیوی دیوتاؤں کو مذہب میں جگہ دے دی مگر سب سے بلند رتبہ گوتم بدھ ہی کو دیا گیا۔ یہ سری لنکا اور برما تک پھیل گیا مگر اپنے اَصلی وطن ہندوستان میں برہموں کے اَثرات قبول کرتے کرتے رفتہ رفتہ بالکل ختم ہوگیا۔

مہایانا بدھ مت:

اِس کے پیروکار چین، جاپان، تبت، منگولیا، جاوا اور سماٹرا میں آباد ہیں۔ اس فرقے نے ایک ذات کو کائنات کا خالق مانا اور گوتم بدھ کو اس کا عارضی مظہر قرار دے کر اس کی اُلوہیت کا عقیدہ برقرار رکھا۔ عام لوگوں کے لیے اَخلاقیات پرعمل کافی قرار دیا گیا۔ اس فرقے نے تصاویر اور مجسموں کی ثقافت کو عام کیا۔

☆☆☆

یہودیت اور یہود

(Judaism and Jews)

کیمبرج ڈکشنری کے مطابق ''یہودیت یہودیوں کا مذہب ہے جو ایک خدا اور ان قوانین پر یقین رکھتا ہے جو تورات اور تلمود میں ہیں۔''

''یہود'' کی تعریف یہ ہے: ''یہود وہ قوم ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی اُمت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔''

یہودیوں کے بنیادی اُصول ومعتقدات یہ ہیں:

یہودی ماں باپ کے ہاں پیدا ہونا، ایک خدا پر یقین، تورات پر ایمان، یوم عہد پر ایمان، یعنی اُس وعدے پر جو خدا نے ابراہیم سے کیا تھا جس میں زمین کی نیابت و بادشاہت دینے کا ذکر ہے۔

بنیادی عبادات واعمال یہ ہیں:

حلال ذبیحہ کھانا، پیدائش کے آٹھویں دن ختنہ کرالینا، آمدنی کا دسواں حصہ عبادت گاہ یا دین کے لیے مختص کر دینا، مخصوص اَیام اور ضیافتوں کو منانا، جیسے عید فصح اور یوم السبت۔ نیز قیامت سے قبل اولادِ داوٗدؑ میں سے ایک عالمگیر یہودی بادشاہ (دجّال) کے ظہور اور تمام دُنیا پر یہود کے تسلط کے تصورات بھی یہود کے عقائد میں شامل ہو چکے ہیں۔

یہود کی تاریخ

یہود کی تاریخ کا آغاز حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے سے ہوتا ہے، جن کا اصل نام ''اسرائیل'' (عبداللہ) تھا۔ آپ کے بارہ بیٹوں کی اولاد مصر میں پلی بڑھی اور اِنہی سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے بنے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون سے نجات دلانے کے لیے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔فرعون ان کا تعاقب کرتے ہوئے اسی سمندر میں غرق ہوگیا۔فرعون سے نجات پاتے ہی بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانیاں شروع کردیں۔بار بار کی تنبیہ کے باوجود باز نہ آئے۔موسیٰ علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل اپنے آبائی وطن فلسطین واپس نہ جاسکے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کا دور

عہدِ قُضات: بنی اسرائیل کی اگلی نسل نے یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں جہاد کر کے فلسطین واپس حاصل کیا۔ان کی پہلی خودمختار حکومت ریاست کا یہ زمانہ عہدِ قُضات کہلاتا ہے جو تقریباً ۴۰۰ سال رہا۔

عہدِ ملوک: اِس کے بعد بادشاہوں کے اختیارات کا دور آیا۔داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے دور میں نبوّت اور بادشاہت یکجا اور یہ قوم عروج پر رہی۔مگر سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد اس میں سفلی عملیات اور ہر قسم کی بُرائی عام ہوگئی۔

عہدِ انقسام: اِعتقادی اور عملی خرابیوں کی وجہ سے بنی اسرائیل میں ایسی پھوٹ پڑی کہ دو مستقل حکومتوں میں بٹ گئے۔ بیت المقدس کو قبلہ ماننے والے فرقوں نے مملکتِ ''یہوذا'' کی بنیاد رکھی جس کا دارُ الحکومت القدس ہی تھا۔القدس کو قبلہ نہ ماننے والوں نے شمال میں مملکتِ ''اسرائیل'' (گلیل) قائم کی۔ان دونوں ریاستوں میں شدید دشمنی تھی۔یہ زمانہ عہدِ انقسام کہلاتا ہے۔

اسیریٔ بابل: 586 قبلِ مسیح میں عراق کے بادشاہ بُختِ نصر نے ان کی عبادت گاہ کو تباہ کردیا، بے شمار افراد کو قتل کیا اور تقریباً ۷۰ ہزار کو قیدی بنا کر عراق کے ایک شہر بابل لے گیا۔

عہدِ نجات: 538 ق م میں ان کی نجات کا دَور شروع ہوا۔فارس کے بادشاہ قورش نے

عراق اور شام پر قبضہ کرلیا اور عراق میں آباد بنی اسرائیلیوں کو واپس بیت المقدس جانے کی اجازت دے دی۔

یونان و روم کے ماتحت: 332 ق م میں سکندرِ اعظم یونانی نے ایشیا پر حملہ کیا اور تقریباً دوسو سال سے زائد عرصہ بنی اسرائیل یونان کے غلام رہے۔64 ق م میں روم کے حاکم پومپئی نے یونانیوں کو شکست دے کر فلسطین پر قبضہ کرلیا۔یوں بنی اسرائیل ایک قوم کی غلامی سے نکل کر دوسری کی غلامی میں جاتے رہے۔اِس دور میں ان کے علماء دُنیوی مفادات کے لیے تورات کی آیات کی من مانی تشریحات کرنے لگے۔تشریحات کے اختلافات کی وجہ سے ان میں فرقہ بندی زور پکڑتی چلی گئی۔اصلاح کے لیے آنے والے تمام اَنبیائے کرام کو وہ جھٹلاتے چلے گئے اور بیسیوں اَنبیائے کرام کو کذاب قرار دے کر قتل کر ڈالا۔حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحیٰی علیہ السلام جیسے برگزیدہ پیغمبروں کی بزرگی اور مقام کا بھی کوئی لحاظ نہ کیا۔آخر میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بعثت ہوئی ،جب اُنہوں نے انجیل کے وہ احکام پیش کیے جو شریعتِ موسوی سے بعض چیزوں میں جدا تھے،تو بنی اسرائیل آپ کے دشمن بن گئے اور آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔اللہ تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھالیا اور جس شخص نے اُن کی مخبری کی تھی اُسی کو عیسٰی علیہ السلام کی شکل دے دی،یہودیوں نے غلط فہمی میں اسی کو گرفتار کر کے سولی پہ لٹکا دیا۔

ذلت ومسکنت کا دور:

رفع مسیح کے بعد یہودس سرکشی بہت بڑھ گئی تھی۔اب وہ اپنی سابقہ عظمت کی بازیافت کے لیے اصلاحِ اعمال کی بجائے دُنیا کی اَقوام کے خلاف زیرِ زمین سازشیں کرنے میں مصروف ہو گئے۔ان کی مفسدانہ حرکتوں سے تنگ آکر رومی حاکم طیطوس (Tysty) نے 70 عیسوی میں یہود کا دل کھول کر خون بہایا اور بیت المقدس میں ان کی

حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر کردہ بنی اسرائیل کی قدیم عبادت گاہ کو گرادیا۔

135 عیسوی میں ایک اور رومی حاکم اڈریان نے یہود کو بیت المقدس سے نکال دیا اور ان کے داخلے پر سخت پابندی لگادی۔

یہود......آغازِ اسلام سے دورِ حاضر تک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک یہود میں ایسے علماء موجود تھے جو تورات میں موجود آخری نجات دہندہ یعنی نبی آخر الزمان ﷺ کی علامات سے واقف تھے۔ تحریفات کے باوجود تورات اور انجیل دونوں میں آپ ﷺ کی نشانیاں موجود تھیں۔ آپ ﷺ کو لڑکپن میں شام کے سفر کے دوران بعض نصرانی راہبوں نے پہچان لیا تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ کے یہودیوں نے بھی آپ کو مخصوص علامات سے پہچان لیا۔

نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو یہود کے فتنے سے بچانے کے لیے نہ صرف یہ اہتمام فرمایا کہ انھیں مدینہ سے نکال دیا بلکہ اپنے آخری ایام میں یہود و نصاریٰ کو پورے جزیرۂ عرب سے نکال دینے کی وصیت فرمائی۔ یہود نے مسلمانوں کے خلاف کاروائی کی ابتداء میں نئے فرقے پیدا کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں سب سے پہلے اہلِ تشیُّع کا ظہور ہوا، اِس تحریک کا بانی عبداللہ ابن سبا یہودی النسل تھا۔ آج بھی گمراہ فرقوں کو یہود کی خفیہ سرپرستی یا تعاون ضرور میسر ہے۔

اگلی صدیوں میں یہودی خفیہ تنظیموں اور تحریکوں نے مناسب طاقت حاصل کرنے کے لیے یورپ کے اقتصادی اور علمی منابع پر قبضہ کیا۔ نصرانیوں کے دلوں سے اپنی نفرت کے جذبات دُور کیے اور اپنی مظلومیت کا پرچار کرکے اِن کی ہمدردیاں حاصل کیں، یورپی حکومتوں اور اقتصادی اِداروں میں اپنے کارندوں کو کلیدی عہدوں پر پہنچایا اور اس طرح 1948ء میں فلسطین کی جگہ اسرائیل کے قیام میں کامیاب ہوگئے۔

موجودہ یہودیوں کا نسب: یہودی خود کو انبیاءِ بنی اسرائیل کی اولاد قرار دیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ زمانۂ حال کے یہودیوں کی اکثریت خالص نسلِ یعقوبی ہرگز نہیں، ان میں کئی قوموں کا خون شامل ہے، ہاں کچھ خصوصیات مثلاً حرص، حسد، تکبر، سودخوری وغیرہ ان میں ضرور مشترک ہیں مگر انہیں نسلی نہیں، قومی خصوصیات کہنا چاہیے۔

یہودی مذہب کے مآخذ

یہودی اپنے مذہب کے بارے میں بڑی رازداری برتتے ہیں کیونکہ ان کے مذہبی و نسلی تفاخر نے انہیں ساری دُنیا سے متنفر کر دیا ہے اور تمام اَقوام کو اپنا حریف تصور کرتے ہیں۔ ان کے یہ مذہبی مآخذ تین ہیں:

(1) محرف تورات (2) تلمود (3) کبالا

(1) تورات:

یہود کے نزدیک تورات وہ پانچ صحائف ہیں جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے لکھے تھے۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اصل تورات کی جگہ اب اِن کے پاس **مُحرَّف** تورات ہے۔ اس میں جابجا ایسے عقائد موجود ہیں جن سے اللہ اور رسولوں کی تنقیص لازم آتی ہے۔

یہود کے ہاں خدا کو ''یہواہ'' کہا جاتا ہے، وہ اِس کی وحدانیت کے قائل ہیں مگر اس کی صفاتِ قدرت اور عظمت وجلال سے بےخبر ہیں۔ **مُحرَّف** تورات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی حیثیت ایک دُنیا کے بادشاہ جیسی ہے جو بھولتا بھی ہے، غافل بھی ہو جاتا ہے، جس سے غلط فیصلے بھی صادر ہو جاتے ہیں، وہ روتا اور پریشان بھی ہوتا ہے، وہ بہت سی چیزوں سے لاعلم رہتا ہے اور اپنے فیصلوں پر نادم بھی ہوتا ہے۔ (خُروج 32:14) وہ تھکتا بھی ہے (تکوین۔2:2) یہود اللہ کی تجسیم کے بھی قائل ہیں (خُروج 13:21) یہ بھی کہتے ہیں کہ

ہمارے اکابر نے موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ اللہ کو دیکھ لیا تھا۔ (خروج 9:24)

توراۃ میں انبیاءؑ کے بارے میں عقائد:

حضرت نوح علیہ السلام نے شراب پی۔ (تکوین 9:20) حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں نے اِن سے بدکاری کی۔ (تکوین 19) حضرت ہارون علیہ السلام نے بچھڑے کی پوجا کا حکم دیا (خروج 1 تا 32۔20) حضرت سلیمان علیہ السلام عیاش آدمی تھے، اِن کی عیاشی نے سلطنت کو تباہ کر دیا۔ (اخبار 28,23,9) نعوذباللہ من تلك الهفوات.

شانِ انبیاءؑ میں یہ گستاخیاں اس لیے کی گئیں کہ یہودی اللہ کے پیغمبروں کا دل سے اِحترام نہیں کرتے تھے اور اِن کو ایک جابر حاکم کی مانند تصور کرتے تھے۔

آخرت کے بارے میں عقیدہ:

تمام انبیائے کرامؑ کی تعلیم میں عقیدۂ آخرت بنیادی حیثیت رکھتا ہے مگر توراۃ آخرت کے ذکر سے خالی ہے۔ اِس میں دی گئی بشارتیں بھی دنیوی کامیابی، ترقی، عروج اور حکومت سے متعلق ہیں۔ غالباً دیگر تحریفات کی طرح علمائے یہود نے آخرت کا ذکر بھی حذف کر دیا تا کہ یہودی صرف دُنیوی ترقی کو ملحوظ رکھیں اور تیزی سے آگے بڑھ کر عروجِ دُنیا حاصل کرسکیں۔ اس تحریف اور تذکیر آخرت سے محرومی کا اثر ہے کہ یہودی موت اور آخرت کے ذکر سے بہت بدکتے ہیں، اسی لیے قرآن مجید نے موت سے کراہیت کو اِن کی بہت بڑی بیماری قرار دیا ہے۔

(2) تلمود:

تلمود کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

''یہود کی مذہبی روایات اور آداب کی تعلیم جو سینہ بہ سینہ اور نسل در نسل منتقل ہوئی۔''

یہود کا دعویٰ ہے کہ تلمود ایسی روایات کا مجموعہ ہے جو توراۃ سے زائد ہیں اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام سے نسل در نسل زبانی نقل ہوتی ہوئی ان تک پہنچی ہیں، ان روایات کا مرتبہ تورات سے بھی بلند ہے، اس میں جو کچھ ہے وہ خداوند یہواہ کا اوّلین واجب التعمیل حکم ہے۔

تلمود دراصل تورات کی پابندیوں سے جان چھڑانے کی کوشش ہے۔ چونکہ محرّف تورات اپنی تمام تر تبدیلیوں کے باوجود یہود کے نسلی تفاخر اور اقوام عالم کے بارے میں نفرت وحقارت کے جذبات کا ساتھ نہیں دیتی تھی اس لیے یہودی پیشواؤں نے تلمود تیار کی۔ شروع میں دوسری سے تیسری صدی عیسوی تک تھوڑی تھوڑی کر کے تورات کی ایک شرح ''مِشنا'' لکھی گئی، پھر مشنا کی شروح لکھی گئیں جن کے مجموعے کو'' جمارہ'' کا نام دیا گیا۔ بعد میں آسانی کے لیے مشنا اور جمارہ کو ایک جگہ جمع کرلیا گیا۔ اسی مجموعے کو''تلمود'' کا نام دیا گیا ہے۔ تلمود کے ان نسخوں میں ہر صفحے پر اوپر مشنا کا متن ہے، پھر خطِ فاصل لگا کر نیچے جماراہ کی عبارت ہے۔

تلمود کے چند مشتملات:

☆ اللہ دن کے ۱۲ گھنٹے کام کرتا ہے جن میں ۳ گھنٹے شریعت کا مطالعہ کرتا ہے، ۳ گھنٹے نفاذِ اَحکام میں صرف کرتا ہے، ۳ گھنٹے دُنیا کے رزق کا اِہتمام کرتا ہے، پھر ۳ گھنٹے مچھلیوں کے بادشاہ سے کھیلتا ہے۔ ☆ ''بعض شیطان وجِنّات آدم وحوّا کی اولاد سے ہیں کیونکہ یہ دونوں مذکر ومؤنث شیطانوں سے ناجائز تعلقات میں ملوث رہے۔ (نعوذ باللہ)

غیر اقوام سے متعلق عقائد:

1۔ یہودی کو مارنا اللہ کی عزت پر حملے کے مترادف ہے۔

2۔ یہود دوسری اَقوام کے مال وجان کے مالک ہیں۔

3۔ تمام انسان یہود کی خدمت کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔

4۔ جنّت صرف یہودیوں کی ہے۔

5۔ غیر یہود کی اَرواح شیطانی اَرواح ہیں۔

عالمگیر تسلط سے متعلق عقائد:

1۔ جب نجات دہندہ آئے گا تو تمام غیر یہود شر پسندوں کی حکومت ختم ہو جائے گی۔

2۔ یہود پر لازم ہے کہ تمام اقوام کی حکومت ختم کریں۔

3۔ غلبۂ یہود سے قبل ایک بڑی جنگ (ہرمجدون/**Armageddon**) واقع ہوگی جس میں دو تہائی دُنیا ہلاک ہو جائے گی۔

نصرانیوں سے متعلقہ عقائد:

اپنے سرپرست عیسائیوں کے بارے میں عقائدِ تلمود یہ ہیں:

1۔ عیسیٰ مسیح مذہبِ یہود کا مُرتد، کافر، واجب القتل تھا، اور اِس وقت جہنم کے شدید ترین عذاب میں ہے۔ 2۔ عیسیٰ کی ماں ''باندار'' نامی سپاہی کے ساتھ ملوّث رہی اور اِس سے عیسیٰ پیدا ہوا۔ 3۔ نصرانیوں کے گرجے کچرے کے ڈھیر کی مانند ہیں۔ اُن میں تقریریں کرنے والے پادری کُتّوں کی مانند ہیں، جو بھونک رہے ہیں۔

تلمود کے موجودہ غیر عبرانی نُسخوں میں یہ باتیں حذف کر دی گئی ہیں۔ آج بھی تلمود کا اَصل عبرانی متن یہودی علماء کے سوا کسی کو دستیاب نہیں ہے۔

(3)۔ کبالا/قبالا

یہودی مذہب کا تیسرا بنیادی ستون کبالا ہے۔ یہ جادو، ٹونے اور ساحرانہ عملیات کے فلسفے اور اس کے طور طریقوں پر مشتمل مواد ہے۔ جادو کُفریہ اور شرکیہ الفاظ و افعال پر مشتمل ایک ناپاک طریقۂ کار ہے، جس سے اللہ تعالیٰ ناراض اور شیطان حد درجے خوش ہوتا ہے۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے وقتی طور پر شیطان کو ایک محدود طاقت دی ہے، اس لیے شیطان وہی

طاقت جادوگر کے ساتھ کر دیتا ہے۔

ہزاروں سال قبل جب بد بخت یہود نے دیکھا کہ وہ اپنے اَعمال بد کی وجہ سے اللہ کے ہاں مغضوب ہوگئے ہیں، تو اُنہوں نے توبہ کرکے اُسے راضی کرنے کی بجائے شیطان سے مدد مانگنی شروع کی اور اُسی کے سکھانے پر شیطانی اعمال شروع کیے اس طرح ان میں جادو کو رواج ملا۔ آہستہ آہستہ یہ علم مدوّن ہوتا ہوا کبالا کی شکل اختیار کرگیا۔

اس شیطانی علم میں خونی رسومات کی بڑی اَہمیت ہے اس لیے رفتہ رفتہ یہودی جادوگروں کی خونی رسومات یہودی مذہب کا حصہ بن گئیں جن میں سے ایک ''عید فصح'' ہے، اس میں یہودی ایک خاص جادوئی روٹی تیار کرکے کھاتے ہیں، جس کے آٹے میں دس سال سے کم عُمر غیر یہودی بچے کا خون نچوڑا جاتا ہے۔ ''پوریم'' کے تہوار میں بچے کی جگہ جوان آدمی کا خون لیتے ہیں۔ بھینٹ چڑھائے جانے والے بچے یا مرد کو زندہ ایک ٹنکی میں ڈالا جاتا ہے جس میں نصب نوکیلی سلاخیں جسم میں پیوست ہوجاتی ہیں اور خون ٹپک ٹپک کر ٹنکی کے نل سے آٹے میں گرتا ہے۔

کبالا کے مقاصد: یہود کبالا کو بڑے اَہداف اور مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں مثلاً:
(1) حریف شخصیات کے اَذہان کو مسخّر کرنا، انہیں ذہنی یا جسمانی طور پر مفلوج یا قتل کرنا۔
(2) طمأنینتِ نفس اور شیطان کا قرب حاصل کرنا تاکہ اُس کی ناپاک مدد شاملِ حال رہے۔ (3) اَخلاقِ ذمیمہ میں رسوخ پانا تاکہ گھناؤنے سے گھناؤنا کام بھی مشکل نہ لگے۔

☆صہیونی منصوبہ سازوں کی خُفیہ دستاویزات: (protocols)

یہ وہ دستاویزات ہیں جو عالمگیر صہیونیت کے بانی تھیوڈور ہرٹزل نے ۱۸۹۷ء میں صہیونیوں کے پہلے عالمی اجتماع میں پیش کیں۔ ان کو ''حکمائے صہیون کے خفیہ پروٹوکولز'' کہا جاتا ہے۔

پروٹوکولز میں کیا ہے؟

ان میں کہا گیا ہے کہ: ☆ ہمارا پاسپورٹ/ ہماری شناخت...... طاقت، جھوٹ اور دعوے ہوں گے۔ ☆ ہمارا حق ہماری قوّت ہوگی (یعنی جس کی لاٹھی اُس کی بھینس)۔ ☆ ہماری آزادی قانون کے دائرے میں اقدامات اور جدو جہد کرنا ہوگی، لیکن تمام قوانین ہمارے حسبِ منشاء ہوں اور تمام آزادیوں پر ہم قابض ہوں گے، ہم آزادی کی وہ شکلیں پیدا کریں گے جو ہماری مرضی کے مطابق ہو۔ ☆ قانون سازی، انتخابات، صحافت اور نشر و اشاعت (یعنی میڈیا) ہمارے ہاتھوں میں ہوں۔ ☆ اغیار کی بھوک اُنھیں ہمارے سامنے ذلیل کرے گی کیونکہ دُنیا کے غذائی وسائل ہمارے قبضے میں ہوں۔ ☆ عالمی مسائل کا تجزیہ اُس طرح کریں گے جو ہماری مصلحت اور مفاد کے مطابق ہو۔ ☆ ہم حکومتوں اور رعایا کے درمیان خندق حائل کر دیں گے۔ ☆ ہمارے دو بڑے ہتھیار ہیں: اَدب اور صحافت۔ ☆ ہم حاکم بن کر اپنے عقیدے کے سوا دُنیا میں کوئی اور عقیدہ باقی نہیں رہنے دیں گے۔ ☆ پوری دُنیا کا یہودی بادشاہ ہی پوپ (pope) ہوگا، اور یہ کام کرنے کے لیے ہم دینی راہنماؤں (عیسائی پادری، مسلمان علماء، ہندو پنڈتوں) کے اَثرات کو محدود کر دیں گے۔ ☆ ہمارے آمروں کی زبان پر خوشحالی، امن وسلامتی اور بین الاقوامی وحدت کے دعوے ہوں گے، لیکن وہ یہ ظاہر نہیں کریں گے کہ اس بین الاقوامی وحدت سے مراد یہود کے دھارے میں بہنا ہے۔ ☆ دُنیا میں جہاں کہیں بھی ہمارے خلاف احتجاج ہوگا وہ بھی ہمارے مشوروں بلکہ ہمارے فیصلوں کے مطابق ہوگا، یعنی ہر قوم میں احتجاج کرنے والے بھی ہم کھڑے کریں گے، تاکہ نکاسیِ جذبات بھی ہوتی رہے۔ ☆ دُنیا کی حکومتوں کا پہیہ ہم گھمائیں گے۔ ☆ اخبارات (یعنی تمام ذرائع ابلاغ) میں کوئی خبر ہماری مرضی کے بغیر نہیں شائع ہوگی۔

یہ تھا پروٹوکولز کا ایک اجمالی جائزہ۔ تمام دستاویز اسی طرح کے شیطانی منصوبوں کی آئینہ دار ہیں۔

یہودی تناظیم اورتحریکیں

یہودی تنظیمیں اورتحریکیں خفیہ بھی ہیں اوراعلانیہ بھی۔بڑی خفیہ تنظیمیں یہ ہیں:

(۱) ٹیمپلرز (۲) فری میسنری یاألماسونیه (۳) إلومیناتی تنظیم

مشہورتحریکیں یہ ہیں: (۱) صہیونیت (۲) ایلیاتحریک

بڑی اعلانیہ تنظیمیں یہ ہیں: (۱)بنی برتھ سوسائٹی (۳)لائنزکلب (۴)روٹری کلب

اِن کے علاوہ یہودیوں نے کچھ عالمی اِدارے بھی قائم کیے جیسے لیگ آف نیشنزاوراَقوام متحدہ۔ذیل میں اِن تنظیموں اورتحریکوں کا تعارف کرایا جارہا ہے۔

(1) ٹیمپلرز:

ٹیمپلرز کاظہور پانچویں صدی ہجری (گیارہویں صدی عیسوی) کے اَواخرمیں اُس وقت ہواجب پہلی صلیبی جنگ چھڑی اورصلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔اُنہوں نے مقدس مقامات کی حفاظت کے عنوان سے اپنی ایک فوج بنائی جویورپ کی تمام فوجوں سے زیادہ مضبوط تھی۔اِس فوج کے سپاہی جنونی عیسائی تھے،لیکن اس کے قائدین صرف یہودی ہوتے تھے۔صدیوں تک اس تنظیم کونصرانی ہی تصورکیاجاتاتھا۔صلیبی جنگوں میں عیسائیوں کی متواتر شکستوں کی وجہ سے ٹیمپلرزکوشام سے نکلناپڑا،تب اُنہوں نے یورپ میں قدم جمالیے۔اِن کی فسادی حرکات سے تنگ آکر 1312ء میں ٹیمپلرزکی تنظیم کو کالعدم قراردے دیاگیالیکن ٹیمپلرزختم نہیں ہوئے۔اُنہوں نے ایک نئی شکل اختیارکرلی۔ ان کے بہت سے افرادنے ''آرڈراوف کرائسٹ'' نامی تنظیم بناکربحری تجارت اورقزاقی کا پیشہ اختیارکرلیا۔کچھ فری میسنری تنظیم میں شامل ہوگئے اوراسے اپنے عقائدونظریات کے تابع کرلیا۔موجودہ فری میسنری ٹیمپلرزہی کا دوسرانام ہے۔

(2) فری میسنری Free Masonry (ألماسونیة)

خفیہ یہودی تنظیموں میں سب سے قدیم اور مؤثر تنظیم فری میسنری ہے۔ اس کے نظریات، اَہداف اور طریقۂ واردات بہت خفیہ رکھے جاتے ہیں۔

اس تنظیم کی علامات تعمیراتی اَوزار اور آلات ...... پرکار، گُنیا اور مُثلّث میں گھورتی ہوئی آنکھ ہیں۔ تنظیم میں کئی درجات اور طبقات ہیں، پہلے طبقے میں تمام مذاہب، قوموں اور نسلوں کے لوگ آسکتے ہیں۔ اس کے ارکان لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ دوسرے طبقے میں صرف یہودی شامل ہوسکتے ہیں۔ تیسرے طبقے میں دُنیا بھر کے چنے ہوئے یہودی ہوتے ہیں۔ تمام طبقوں اور عہدے داروں کے اُوپر فری میسنری کا سربراہ ہوتا ہے جسے "رئیس" یا "حاخامِ اعظم" کہاجاتا ہے، لیکن اُس کی شخصیت ہمیشہ پوشیدہ رہتی ہے۔

اس تنظیم کے اُصول وقواعد بہت سخت ہیں۔ کارکن ان کے مطابق نظم وضبط کے پابند ہوتے ہیں۔ ہر رُکن صرف اپنے برابر کے طبقے کے رُکن سے تعلقات رکھ سکتا ہے۔ ایک ڈگری میں شامل افراد ایک دوسرے کو مخصوص علامات سے پہچان لیتے ہیں۔ پہچان کے یہ اِشارے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

مقاصد: فری میسنری کا شعار اور ظاہری مقاصد "عدل، اخوّت اور حُرّیت" ہے۔ فری میسنز دعوٰی کرتے ہیں کہ ہماری تنظیم قوم، ملک اور مذہب کی تفریق سے بالاتر ہے اور ہم اپنی کارکردگی سے انسانوں میں حتی الوسع تعاون کا ایک مثالی ماحول پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ مگران خوشنما دعوؤں کے پسِ پردہ اصل مقاصد تحفّظِ یہودیت، غلبہ یہود، تمام مذاہب کی مخالفت اور بے دینی واِباحیت کا فروغ ہیں۔

(1) تحفظِ یہودیت اور غلبۂ یہود: یہودیت کا تحفظ اور یہودیوں کا عالمگیر غلبہ فری میسنری کا پہلا ہدف ہے۔ یہودی پیشوا، حاخام اسحاق وایز اعتراف کرتا ہے:

''فری میسنری تحریک ایک یہودی ادارہ ہے جس کی تاریخ ،اس کے مراتب اور درجہ بندی ،تعلیمات اور خفیہ کلمات اوّل تا آخر یہودی ہیں۔''

۱۹۰۱ء میں شایع ہونے والے کتابچے''European Free Masonry''
میں تحریر کیا گیا:''یورپین فری میسن'' European Free Mason '' ایک ایسی عمارت تعمیر کرے گی جس میں خداوندِ بنی اسرائیل ہمیشہ رہے گا۔''

(2) دیگر مذاہب کی مخالفت: یہودی دیگر مذاہب کو ختم کر کے لادینیت پھیلانا چاہتے ہیں تاکہ عقائد سے عاری قلوب میں یہودیت کی کاشت کرنا مشکل نہ ہو۔اس مقصد کے لیے فری میسنری پوری طرح متحرک ہے۔یہودی پروٹوکولز میں کہا گیا ہے:''فری میسنری جو پوری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے ہماری مدد کر رہی ہے۔ہمیں چاہیے کہ ہم ایمانی عقائد کی زنجیر توڑ دیں۔جب ہم اپنی مملکت حاصل کر لیں گے تو اپنے عقیدے کے علاوہ کسی عقیدے کو نہیں رہنے دیں گے،اس لیے ہمیں تمام اَدیان اور عقائد کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔''

(3) اِلحاد، بے دینی اور اباحیت کا فروغ: فری میسن دُنیا کو حیوانوں کی طرح جنسی اباحیت کا عادی بنا کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کرنا اور انہیں حال و مستقبل کے خطرات سے غافل رکھنا چاہتی ہے۔''Jewish Encyclopaedia''میں کہا گیا ہے:

''ہم ایسے لوگ پیدا کرنا چاہتے ہیں جو اپنے اَعضائے تناسُلی کے بارے میں بالکل شرم نہ کریں۔ہم چاہتے ہیں کہ نوجوان یہ سمجھیں کہ پیدائش کے وقت ہی سے اَعضائے تناسل کو تقدُّس کا درجہ حاصل ہے۔''(جیوش انسائکلو پیڈیا۔ایڈیشن ۱۹۰۳ء۔جلد 5 صفحہ 503)

فری میسنری کی تاریخ:

یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ فری میسنری کی بنیاد اُس وقت پڑ چکی تھی جب بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں اہرام تعمیر کر رہے تھے۔اُس وقت بھی بنی اسرائیلی معماروں نے اپنی روایتی اَنا کو ترک نہ کیا اور اپنی ایک آزادانہ حیثیت برقرار رکھنے کی کوشش کرتے

رہے۔اس طرح فری میسن (آزاد معمار) برادری کی بنیاد پڑ گئی۔موسیٰ علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے دور میں بھی اُنھوں نے اپنا تشخص برقرار رکھا۔بنی اسرائیل کے زوال کے دور میں یہودی پیشواؤں نے اپنی جمعیت کو برقرار رکھنے کے لیے مخصوص محفلوں کا اِنعقاد شروع کیا جنھیں لاج (lodge) کہا جاتا تھا۔ان میں وہ اپنے نظم وضبط کی بقا اور اپنے عروج کی بازیابی کے لیے منصوبے بناتے تھے۔یہود کے ان بڑے راہنماؤں کا تعلق انہی معماروں اور سنگ تراشوں کے خاندان سے تھا،سنگ تراش کو انگریزی میں ''میسن'' کہا جاتا ہے،چنانچہ اسی مناسبت سے تنظیم کو''آزاد معماروں کی تنظیم''یا''فری میسنری''کہا جانے لگا۔

تاریخی حقائق سے'' فری میسنری'' کی بنیادوں کے اتنا قدیم ہونے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ فری میسنری کا نام پہلی بار اٹھارہویں صدی میں مشہور ہوا جب اس تنظیم نے برطانیہ میں اپنے قدم جما کر تیزی سے ترقی شروع کی۔1717ء میں برطانیہ میں گرینڈ لاج قائم ہوا پھر جہاں جہاں برطانیہ کا اَثر ورُسوخ تھا وہاں فری میسنری کے مراکز قائم ہونے کی ایک رَو چل پڑی،کینڈا،آسٹریلیا،مصر،مشرقِ وُسطی اور دیگر مقبوضہ ممالک میں لاجز بنتے چلے گئے۔

فری میسنری نے ۱۷۸۹ء میں انقلابِ فرانس برپا کر کے فرانسیسی شہنشاہیت کا خاتمہ کیا اور یورپ میں جمہوریت کی بنیاد ڈالی۔ترکی سے خلافت کے خاتمے میں بھی فری میسنری کا کردار سب سے فعال رہا۔اُنیسویں صدی کے اَواخر میں سرگرم ہونے والی ترک نوجوانوں کی خفیہ جماعت''انجمن اتحاد وترقی''جو انقلاب کی داعی تھی درحقیقت فری میسنری کے اشارے پر چل رہی تھی۔ فری میسنری کے ایجنٹوں نے تین براعظموں میں پھیلی ہوئی اسلامی خلافت کی جگہ ایک تنگ نظر اور کمزور لادین ریاست قائم

کر دکھائی۔ **1917**ء میں روس میں بالشویک انقلاب آیا، اس میں بھی فری میسنری کا بھرپور کردار تھا، جدید ترکی کے بانی مصطفیٰ کمال، افغانستان کے بادشاہ حبیب اللہ خان، ایران کے سابق شاہ رضا شاہ پہلوی، مصر کے سابق صدر جمال عبد الناصر اور صدر انور سادات، اور فلسطینی لیڈر یاسر عرفات جیسے لوگ فری میسنری کے ایجنٹ تھے۔

لوگ فری میسن کیوں بنتے ہیں:

لوگ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ خواہشات کی تکمیل کے لیے فری میسن بنتے ہیں۔ ذاتی اَغراض اور مفادات کے پجاری ہی فری میسنری کے جال میں پھنستے ہیں۔ یہ خاص لوگ مثلاً حکمران، سیاست دان، وزراء، سفیر، سول حکام، فوجی افسران، بڑے تاجر، صنعت کار، سائنسدان، ڈاکٹر، اہل علم ودانش ہوتے ہیں جو مقبولیت، مقام اور دولت میں زیادتی کے بھوکے ہوتے ہیں۔ اس تنظیم میں داخلے کے وقت اُمیدوار سے قسم لی جاتی ہے کہ وہ کسی قسم کا راز اِفشا نہیں کرے گا، اور اگر خلاف ورزی کرے تو اُسے قتل کر دیا جائے۔ رُکن بننے کے بعد آزمائش کے لیے مختلف کام دیے جاتے ہیں، جن کی تکمیل پر اِس کی ترقی موقوف ہوتی ہے۔

(3) اِلومیناتی تنظیم (Order of illuminaty)

یہ تنظیم یکم مئی **1774**ء کو ان یہودیوں نے قائم کی جو لُوسی فر (**Lucifer**) یعنی ابلیس کو اپنا خدا مانتے اور اُسکی عبادت کرتے ہیں اور دجال کو اپنا نجات دہندہ یا مسیحا تصور کرتے ہیں۔ یہ تنظیم لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ظاہر کرتی ہے کہ اس کا مقصد قوم، مذہب، حیثیت اور پیشے سے بالاتر ہو کر نسلِ انسانی کو ایک خوشحال برادری میں تبدیل کرنا ہے۔ مگر اس کا اصل مقصد تمام مذاہب، تمام حکومتوں، تمام ذاتی جائدادوں، حب الوطنی اور خاندانی نظام کا خاتمہ اور اس کے بعد ایک عالمی ابلیسی ریاست کا قیام ہے۔ **16** جولائی **1982**ء سے "

فری میسنری“ اور” اِلومیناتی“ ایک معاہدے کے تحت متحد ہوگئی ہیں کیوں کہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔

☆☆

یہودی تحریکیں

(ا) صِہیُونِیَّت: (Zionism)

یہ یہودیوں کی سب سے قدیم اور سب سے مؤثر تحریک ہے جو بیت المقدس کے جنوب میں واقع ایک پہاڑ ”صہیون“ کی طرف منسوب ہے۔ یہ تحریک بنی اسرائیل کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی، اقصیٰ کی جگہ ہیکل کی تعمیر، اور پوری دُنیا پر ایک یہودی بادشاہ کے ذریعے حکومت کرنے کی خواہاں ہے۔ یہ یہودی بادشاہ ”کانا دجال“ ہے۔

یہ انتہائی قدیم تحریک ہے۔ صہیون کو واپسی، ہیکل کی از سرِ نو تعمیر اور عالمگیر بادشاہت کا جذبہ پہلی مرتبہ اُس وقت پیدا ہوا جب یہودی بُختِ نصر کی قید سے آزاد ہو کر فلسطین واپس جا رہے تھے۔ اُس وقت جو تحریک شروع ہوئی اُسے ”تحریکِ مُکابیین“ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایسی کئی تحریکیں مختلف زمانوں میں چلتی رہیں مگر ان سب کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں فری میسنری اور یہودی دانشوروں کی سرگرمیوں کی وجہ سے یورپ کی کئی حکومتیں ایک الگ آزاد وطن کے لیے جاری یہودی تحریک کی حامی بن گئیں۔ یورپی حکمرانوں نے یورپ کو یہود کے فساد سے پاک کرنے اور ان کے ذریعے مسلمانوں کو شکست دینے کے خیال سے یہود کی حمایت شروع کردی۔ ان میں فرانس کا نپولین سرفہرست ہے۔ اُس نے یہودیوں سے یہ معاہدہ کیا کہ یہودی مشرقِ وُسطیٰ پر قبضہ کرنے میں اُس کی مالی امداد کریں تو وہ فلسطین میں انہیں ایک آزاد ملک دلوائے گا مگر یہ منصوبہ چوپٹ ہوگیا۔ اُنیسویں صدی کے وسط میں یہودی لیڈروں نے فلسطین میں زمینیں خریدنے کے منصوبے کا آغاز کردیا، اس سلسلے کو ”ایلیا تحریک“ کہتے ہیں۔

۱۸۹۶ء میں عالمگیر صہیونی تحریک کا آغاز ہوا جس کا بانی آسٹریا (یورپ) کا ایک صحافی ''تھیوڈور ہرٹزل'' تھا۔ اُس نے اپنی تصنیف ''الدولۃ الیھودیۃ'' میں دریائے نیل سے لے کر دریائے فرات تک ایک عظیم یہودی ریاست قائم کرنے، فلسطین کو مرکز بنانے اور عالمگیر یہودی بادشاہ کے اِقتدار کی راہیں ہموار کرنے کا تفصیلی منصوبہ پیش کیا۔ اُس نے صہیونیوں کی پہلی سالانہ کانفرنس میں جو کہ ۱۸۹۷ء میں سوئزرلینڈ کے شہر باسل میں منعقد ہوئی اِعلان کیا کہ ہم نے یہودیت کے غلبے کا پہلا پتھر نصب کر دیا ہے، اور عن قریب دُنیا ہمارے تابع ہوگی۔ اِسی کانفرنس میں پہلی بار ''حکمائے صہیون کے پروٹوکولز'' پیش کیے گئے۔

۱۹۰۱ء میں یہودیوں نے خلیفۃ المسلمین سلطان عبد الحمید ثانی سے بھاری رقم کے بدلے فلسطین کی زمین طلب کی، لیکن سلطان نے صاف انکار کر دیا۔ آخر کار صہیونیوں نے عثمانی خلافت کو سبوتاژ کرنے کے لیے پہلی عالمگیر جنگ چھیڑ دی جس کے اختتام پر خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا گیا، ترکی کی بندر بانٹ کر کے شام اور عرب ممالک پر برطانوی اور یہودی ایجنٹوں کو مسلط کر دیا گیا۔ ۱۹۱۷ء میں برطانیہ نے اعلان کر دیا کہ فلسطین یہودیوں کو ملنا چاہیئے، یہ اِن کا حق ہے۔ تین عشروں بعد دُوسری عالمی جنگ چھیڑی گئی اور صہیونیوں کے ہاتھوں اَقوام متحدہ وجود میں آئی۔ اِس ادارے کے تشکیل پانے کے کچھ ہی عرصے بعد اسرائیل کے قیام کی قرارداد منظور کرا لی گئی۔ ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیل کے قیام کا اعلان ہو گیا۔ صہیونیوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اسرائیل کے گرد و نواح کی اسلامی مملکتوں پر حملے جاری رکھے حتیٰ کہ ۵ / جون ۱۹۶۸ء کو بیت المقدس پر بھی قابض ہو گئے۔ صہیونی مسجدِ اقصیٰ کو برباد کرنے کے لیے اس کے نیچے سرنگیں کھود چکے ہیں تا کہ کسی معمولی سے زلزلے سے مسجد گر جائے اور انہیں ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کا بہانہ مل سکے۔ جس کے بعد ان کے نزدیک عالمگیر یہودی بادشاہ کا آنا یقینی ہے۔

(۲) اِلیاتحریک:

اِلیاتحریک سے مراد وہ تحریک ہے جس کے تحت یورپ سمیت دُنیا بھر میں یہود کو فلسطین واپسی اور وہاں آباد ہونے کی دعوت دی گئی۔ یہ تحریک پانچ اَدوار سے گزری ہے۔

(۱) پہلی ایلیا تحریک 1881ء میں شروع ہوئی جب روس سے بہت سے یہودی فرار ہو کر فلسطین میں آباد ہونے لگے۔ یہودی سرمایہ داروں مونیٹوری اور روتھ شیلڈ نے فلسطین میں ان یہودیوں کی آبادکاری کے لیے پانی کی طرح دولت بہائی مگر یہ تحریک ناکام ہوگئی۔

(۲) دوسری ایلیا تحریک 1904ء سے 1914ء تک جاری رہی۔ اس میں چالیس ہزار یہودی فلسطین آئے۔ جنہیں کِبُتز (kibbutz) سسٹم کے تحت آباد کیا گیا۔ اس میں زمین اور جائدادیں کسی فرد کی ملکیت میں نہیں ہوتی تھیں۔ تمام لوگ مل کر کام کرتے تھے۔

(۳) تیسری ایلیا تحریک 1919ء سے 1923ء تک جاری رہی۔ اس بار جو نئے یہودی آبادکار فلسطین آئے اُنھوں نے کاشتکاری کے ساتھ تجارت کا آغاز بھی کردیا اور جلد ہی فلسطین کی تجارت میں اَہم مقام حاصل کرلیا۔

(۴) چوتھی ایلیا تحریک 1923ء سے 1929ء تک جاری رہی۔ اِس میں 82 ہزار کے لگ بھگ یہودی روس، پولینڈ، رومانیہ اور دوسرے ملکوں سے فلسطین آگئے اور بہت بڑے پیمانے پر فلسطین کی زمین ہتھیائی گئی۔

(۵) پانچویں ایلیا تحریک 1929ء سے 1939ء تک جاری رہی ۔ اس بار یہودی آبادکاروں کی تعداد اڑھائی لاکھ سے متجاوز تھی۔

(۶) چھٹا دور 1939ء سے 1945ء تک جاری رہا۔ اِس دوران ڈیڑھ لاکھ کے قریب یہودیوں کو غیر قانونی طور پر فلسطین میں آباد کیا گیا۔ 1948ء میں قیام اسرائیل پر ایلیا تحریک کا اختتام ہوگیا۔

☆

اعلانیہ تنظیمیں

(1) بنی برتھ سوسائٹی:

بنی برتھ کا مطلب ہے ''عہد کی اولاد''۔ ایک جرمن یہودی نے ۱۸۴۳ء میں اس کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ فری میسنری کی مددگار تنظیم ہے جو علانیہ کام کرکے اس کے لیے زمین ہموار کرتی ہے۔ فری میسنری کے بڑے بڑے عہدے دار علانیہ زندگی میں اس سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔

(2) لائنز کلب(THE LIONS' CLUB)

لائنز (Liberty,Intelligence our Nation,s safety) کا مخفف ہے جس کا معنی ہے'' آزادانہ روش اور دانش مندی ہمارا قومی تحفظ ہے۔'' لائنز کلب میں ایسے لوگوں کو لیا جاتا ہے جو سرمایے، علم یا منصب و وجاہت کے اعتبار سے غیر معمولی ہوں، یا کسی میدان میں غیر معمولی صلاحیت کے حامل ہوں۔ لائنز کلب کے دو بڑے أہداف ہیں:

(۱) دُنیا میں سیکیولرزم (لادینیت) کو فروغ دینا۔

(۲) نسلِ نَو کا ذہن صہیونی کے مقاصد کے لیے ہموار کرنا۔

(3) روٹری انٹرنیشنل:(Rotary International)

یہود کی اس عالمی تنظیم کی بنیاد ایک امریکی وکیل پال ہیرس نے 1905ء میں رکھی۔ یہ تنظیم مختلف ملکوں میں فلاحی اور ترقیاتی منصوبوں کے ذریعے اپنے قیام کا جواز نکال لیتی ہے۔ اب دُنیا کے 157 ممالک میں اس کے تحت تین ہزار کے لگ بھگ کلب کھلے ہوئے ہیں جن کے ممبران کی تعداد بارہ لاکھ سے زائد ہے۔

یہودی تسلط کے عالمگیر اِدارے

1۔ لیگ اَوف نیشنز (League of Nations)

یہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱٦ء سے ۱۹۱۸ء) کے بعد قائم ہوئی، اس کے قیام کا ظاہری مقصد ایک ایسا عالمی پلیٹ فارم مہیا کرنا تھا جو تمام ممالک پر اَثر انداز ہو اور دُنیا میں امن وسلامتی کا ضامن ہو۔ پہلی عالمی جنگ کے اختتام پر لیگ آف نیشنز (League of Nations) کے ذریعے ہی وہ معاہدے ہوئے جن کے ذریعے خلافتِ عثمانیہ ختم ہوئی۔

2 ۔ اقوامِ متحدہ (United Nations Organization):

دوسری جنگِ عظیم کے بعد ۱۹۴٦ء میں اقوام متحدہ وجود میں آئی، اس کے دو سال بعد ۱۹۴۸ء میں اسرائیل قائم ہو گیا جس کی زیادتیوں کو اقوامِ متحدہ نے ہمیشہ نظر اَنداز کیا ہے۔ شام، اُردن، مصر اور لبنان پر اس کے متعدد جارحانہ حملوں کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی گئی۔ ۱۹٦٦، ۱۹۷۳، اور ۱۹۸۲ء، کی جنگوں میں عربوں کے قتلِ عام اور ہر قسم کے ممنوع اسلحے کے استعمال کو کبھی دہشت گردی شمار نہیں کیا گیا۔ ۲۰۰۰ء سے تا حال فلسطین میں اسرائیل کی بدترین خون ریزیوں کو کبھی درخورِ اعتناء نہیں سمجھا گیا۔ یہ حقائق اس سچائی کا ثبوت ہیں کہ اقوام متحدہ یہودیوں کے عالمی تسلط کا جال ہے۔

☆☆☆

نصرانیت (Christianity)

نصرانیت وہ مذہب ہے جو گزشتہ چودہ صدیوں سے اسلام کے خلاف کھلم کھلا لڑ رہا ہے۔ یہ جنگ عسکری میدان میں بھی ہوتی آ رہی ہے اور فکری و نظریاتی محاذ پر بھی۔

نصرانیت کی تعریف:

نصرانیت کی تعریف انسائکلو پیڈیا برنا ٹیکا میں یوں کی گئی ہے:

''وہ مذہب جو اپنی اصلیت کی نسبت ناصرہ کے باشندے ''یسوع'' کی طرف کرتا ہے اور اُسے خدا کا منتخب مسیح مانتا ہے۔'' (ج۵،ص۶۹۳)

عیسائیت کے بنیادی عقائد:

عیسائیوں کے بنیادی عقائد درج ذیل ہیں:

(۱) عقیدۂ تثلیث (۲) عقیدۂ ابنیتِ مسیح (۳) عقیدۂ حلول (۴) مصلوبیتِ مسیح (۵) عقیدۂ حیاتِ ثانیہ مسیح (۶) عقیدۂ رجوعِ مسیح (۷) عقیدۂ کفارہ۔

(۱) عقیدۂ تثلیث: (Trinatarian Doctrine)

عقیدۂ تثلیث سے مراد یہ ہے کہ خدا اقانیم ثلاثہ (تین شخصیات) کا مجموعہ ہے: باپ (خدا)، بیٹا (عیسیٰؑ) اور روح القدس (مقدس حیات) کا۔

رومی عیسائیوں کے قدامت پسند اور غالب فرقے کیتھولک چرچ کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ تین شخصیتیں مل کر ایک حقیقت تشکیل دیتی ہیں۔ بعض فرقے روح القدس (حیات) کی جگہ حضرت مریمؑ کو تیسرا اقنوم کہتے ہیں۔

(۲) عقیدۂ ابنیتِ مسیح:

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ خدا بھی ہے۔ یعنی عیسیٰ خدا بھی ہیں اور بیٹا بھی۔ کچھ عرصے کے لیے خدا بیٹے کا روپ دھار کر انسان بنے پھر

دوبارہ خُدا بن گئے، اب مستقل طور پر وہ انسان اور خُدا دونوں ہیں۔

(۳) عقیدۂ حلول: (Incarnation)

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی صفتِ کلام انسانوں کی بھلائی کے لیے حضرت مسیح کے انسانی جسم میں حلول کر گئی تھی۔

(۴) عقیدۂ مصلوبیت مسیح: (Crucifixion)

ان کا عقیدہ ہے کہ خُدا کے بیٹے کرائسٹ کو یہودیوں نے حاکم پیلاطس کے حکم سے صلیب پر چڑھا کے قتل کر دیا تھا۔

(۵) عقیدۂ حیاتِ ثانیہ: (Resurrection)

ان کا عقیدہ ہے کہ سُولی پہ لٹکائے جانے اور قبر میں دفن کیے جانے کے تین دن بعد عیسیٰ پھر زندہ ہو گئے اور آسمانوں میں چلے گئے۔ وہاں وہ اللہ کے دائیں ہاتھ پر بیٹھے ہیں۔ قربِ قیامت میں پھر ظاہر ہوں گے۔

(۶) عقیدۂ کفارّہ (atonement/Redemption)

عقیدۂ کفارہ کا فلسفہ یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے دانۂ گندم کھایا تو ''اصلِ گناہ'' (the originalsin) صادر ہوا جس سے نوعِ انسانی میں اللہ کی نافرمانی کا عنصر پیدا ہو گیا اور نیکی کی قوّتِ اِرادی کمزور پڑ گئی، اِس صورتحال میں بنی نوعِ آدم اللہ کے ہاں سزائے موت کی حقدار بن گئی مگر خدا نے بندوں کو سزا دینے کی جگہ خود اپنے بیٹے کی شکل میں زمین پہ آ کر یہ سزا خود پر جاری کر دی، اس طرح ہر وہ انسان پیدائشی گناہ سے پاک ہو گیا جو یسوع کو خُدا کا بیٹا مانیں اور اُس کی قربانی پر یقین کریں۔ (نعوذ باللہ منہا)

اکثر افراد جو اپنا مذہب چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرتے ہیں وہ کفارے کے عقیدے سے متاثر ہو کر اِدھر مائل ہوتے ہیں تا کہ پیدائشی گناہ مٹ جائے۔

نصرانیت کے مآخذ

عیسائیوں کی مذہبی کتاب بائبل ہے جس کے دو حصے ہیں،عہدنامہ قدیم۔ عہدنامہ جدید۔

عہدنامہ قدیم:(The Old Testament)

عہدنامہ قدیم یاعہدِ عتیق تورات ،زبوراوران کے ملحقات پر مشتمل ہے۔یہ صرف برکت کے لیے ہے،اس پرعمل نہیں ہوگا۔

عہدنامہ جدید:(The New Testament)

عہدنامہ جدید یاانجیل عیسائی مذہب کا اصل ماخذ ہے۔عیسائیوں کے پاس موجود انجیل وہ ہے جورفعِ مسیح کے 325 سال بعد پادریوں کے مشہوراجتماع ''میقاوی کونسل'' میں منتخب کی گئی تھی۔حالانکہ اس کے اصل انجیل ہونے کا کوئی معتبر ثبوت موجود نہیں تھا۔عہدنامہ جدید 27 کتب کا مجموعہ ہے جن میں سے چار کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اِنہی کو اناجیل اَربعہ کہاجاتا ہے۔ان کے نام انجیل متی ،انجیل مرقس ،انجیل لوقا ،اورانجیل یوحنا ہیں۔

موجودہ اَناجیلِ اَربعہ کی حیثیت:

اَناجیلِ اَربعہ سمیت بائبل میں شامل کسی بھی انجیل کی حیثیت ایسی نہیں ہے کہ وہ کسی بھی لحاظ سے اللہ کا کلام ثابت ہو یااِسے وہ انجیل قراردیاجاسکے جوعیسٰی علیہ السلام پرنازل ہوئی تھی۔قریبی دَور میں کئی عیسائی محققین کا بھی یہی موقف ہے کہ بائیبل اورانجیل اللہ کا کلام نہیں ، بلکہ یہ حواریوں کے مکتوبات ہیں جن میں اُنہوں نے یسوع سے اپنی ملاقاتوں کی روداد بیان کی ہیں۔انسائکلوپیڈیا برنائیکا میں ہے:

''یہ بات متنازعہ ہے کہ کتب مقدسہ میں درج ہربات الہامی ہے یانہیں'' ج ۱۱ص ۲۴۷

نصرانیت کی عبادات اور رُسومات

نصرانیت میں عبادت کا یہ اُصول ہے کہ عبادت چرچ میں اجتماعی طور پر ہی ہوسکتی ہے۔ سب سے مشہور عبادت ''حمد خوانی'' ہے جس کی اَدائیگی کے لیے لوگ صبح وشام چرچ میں جمع ہوتے ہیں۔ بائبل سے زبور کے گیت پڑھے جاتے ہیں۔

جب کوئی شخص عیسائیت قبول کرتا ہے تو اُس سے عیسائی عقائد کا اقرار لینے کے بعد اس کے جسم پر ایک خاص تیل کا مساج کیا جاتا ہے اور ایک نیا لباس پہنایا جاتا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ پُرانا لباس اُتارتے ہی وہ پیدائشی گناہ سے پاک ہوگیا ہے، یہ عمل بپتسمہ کہلاتا ہے۔

ہر اتوار کو چرچ میں دُعائیہ اور حمدیہ مجلس ہوتی ہے جس کے بعد روٹی اور شراب سامنے رکھ کر پادری باپ بیٹے اور مقدس روح سے برکت کی دُعا کرتا ہے، حاضرین میں روٹی اور شراب تقسیم کی جاتی ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق روٹی مسیح کا بدن اور شراب ان کا خون بن جاتی ہے۔

ہر سال 3 مئی کو ''بازیافتِ صلیب کا تہوار''، 25 دسمبر کو ولادتِ مسیح کا تہوار کرسمس، ۲۲ سے ۲۵ مارچ تک حضرت مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کی خوشی کا تہوار ایسٹر، اور ایسٹر سے قبل آنے والے جمعے کو مسیح کو سولی دیے جانے کا تہوار گڈ فرائڈے منایا جاتا ہے۔

☆

موجودہ عیسائیت کی بُنیاد

موجودہ عیسائیت کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے ایک شاگرد پولس نے رکھی جسے سینٹ پال بھی کہا جاتا ہے۔ اُس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں کی صحبت نہیں پائی تھی بلکہ اُن کا دشمن رہا تھا مگر بعد میں ایمان کا اظہار کر کے عیسائیت کی تبلیغ

کرنے لگا۔اُس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بگاڑنے کے لیے مسیحی بزرگ کا روپ دھارا تھا۔ اگر بغور دیکھا جائے تو موجودہ انجیل عہد نامہ جدید سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ پولس کی تعلیمات عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے متضاد ہیں۔

مثلاً: ☆عیسیٰ علیہ السلام نے توحید پیش کی: ''مرقس'' باب ۱۲،نمبر ۲۹ میں ہے: ''خداوند ہمارا ایک ہی خُدا ہے۔'' اس کے مقابلے میں پولس نے تثلیث کا عقیدہ پیش کیا۔

☆ عہد نامہ جدید میں ساٹھ کے لگ بھگ مقامات پر عیسیٰ علیہ السلام نے خود کو ابنِ آدمؑ کہا ہے، مگر پولس نے مسیح میں خدا کے حلول کر جانے کا عقیدہ پیش کیا اور انہیں خدا کا حقیقی بیٹا قرار دیا۔ وہ کہتا ہے:

''اُلوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہوکر سکونت کرتی ہے۔''

(کلسیون، ب۲،نمبر ۹)

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کی تصدیق کرتے تھے، بائبل میں ان کا ارشاد مذکور ہے: ''یہ نہ سمجھو میں تورات کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔'' (متّی، باب ۵۔نمبر ۱۷)

مگر پولس نے تورات کی تردید کی اور کہا: ''مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھٹکارا دلایا'' (گلتیون باب ۳،نمبر ۱۳)

بائبل میں جب بھی **The Law** (شریعت) کا لفظ آتا ہے تو اِس سے مراد تورات ہوتی ہے۔

☆ بڑے بڑے حواریوں جیسے یوحنا، پطرس، برنباس کا پولس سے اِختلاف کرنا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ پولس لوگوں کو انجیل کے نام پر گمراہ کر رہا تھا۔

تاریخ نصرانیت

عیسائیت کی تاریخ، بنی اسرائیل کی تاریخ کے ساتھ جُڑی ہوئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل بنی اسرائیل کئی مذہبی فرقوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بیت المقدس کے قریب بیت اللحم کی بستی میں مریم بنت عمران نامی ایک نیک سیرت کنواری خاتون کے ہاں معجزانہ طور پر ہوئی۔ آپ نے شیر خوارگی کی حالت میں لوگوں سے کلام کیا اور بتایا کہ اللہ مجھے کتاب عطا کرے گا اور نبوت سے سرفراز کرے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کی اصلاح کے لیے آئے تھے مگر یہودی عمومی طور پر آپ پر ایمان نہیں لائے، ان میں دو گروہ بن گئے تھے، اکثریت نے یہ کہہ کر کہ تورات کے سوا کوئی چیز قابلِ عمل نہیں ہے، انجیل کو مسترد کر دیا۔ یہ لوگ یہودی کہلائے۔ جن لوگوں نے آپؑ کی اِتباع کی وہ نصاریٰ کہلائے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگانے اور آپؑ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حواریوں کی آنکھوں کے سامنے آپ کو آسمان پر لے گئے۔ یہودیوں نے آپ کی جگہ مخبر کو آپ کے مشابہ پا کر گرفتار کر لیا اور اُسی کو صلیب پر لٹکا دیا۔ بعد میں جب پولس نے نئے لوگوں کو عیسائیت کی دعوت دی تو اُس نے بھی یہود کے عقیدے کے مطابق لوگوں میں مشہور کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا گیا تھا۔

عیسائیت کی تاریخ کے تین اَدوار

پہلا دَور: تبلیغ و ابتلاء:

یہ دور پہلی صدی عیسوی سے تیسری صدی عیسوی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں پولس نے تورات کے اَحکام کو بالکل ساقط قرار دے کر عیسائیت کو نیا مفہوم دیا۔ اَکثر لوگ اِس

کے جھانسے میں آ گئے تھے۔ اِس دور کو دورِ ابتلاء اس لیے کہا جاتا ہے کہ اپنے عقائد کی اشاعت کے لیے عیسائیوں کو رومیوں کی طرف سے تکالیف سہنی پڑ رہی تھیں کیوں کہ رومی کسی دوسرے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صحیح ایمان رکھتے تھے وہ اِس دور میں رفتہ رفتہ ختم ہو گئے یا گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے رہے۔

دوسرا دَور، دَورِ مجالس (Age of Councils):

چوتھی صدی عیسوی کو دورِ مجالس کہا جاتا ہے۔ اِس زمانے میں تبلیغِ عیسائیت کے اَثرات رومی بادشاہوں تک جا پہنچے، اور رومی بادشاہ ''قُسطنطین'' نے عیسائیت قبول کر لی۔ اِس دَور میں عیسائی علماء اور پادری مل بیٹھ کر بائبل کی تدوین اور مذہبی عقائد ورُسوم کی تعیین کے بارے میں مباحثے اور مذاکرات کیا کرتے تھے تاکہ اپنے مذہب کے اُصول وضوابط مقرر کریں۔ اِن نشستوں کو مجالس ''Councils'' کہا جاتا تھا۔

دورِ مجالس کی سب سے اَہم بات ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicaea) میں منعقد ہونے والی ''نیقاوی'' کونسل ہے، جس میں تثلیث کو مذہب کا جُزوِ خاص مان لیا گیا۔

تیسرا دَور: انتشار کا دَور:

یہ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کا ہے۔ اِس دور میں بازنطینی رومی سلطنت ایشیائی اور یورپی دو حصوں میں بٹ گئی۔ مشرقی مرکز ''قُسطنطُنیہ'' تھا اور مغربی مرکز ''روم''۔ ساتھ ساتھ کلیسا بھی دو حصوں میں بٹ گیا۔ قسطنطنیہ کا کلیسا ''آرتھوڈکس چرچ'' کہلایا۔ اس کے پیشوا کو ''بِطریق'' (Patrick) کہا جاتا تھا۔ روم کا کلیسا ''کیتھولک چرچ'' کے نام سے موسوم ہوا جس کے پیشوا کو پوپ کہا جاتا تھا۔ اسی دَور میں رہبانیت کا آغاز ہوا، بہت سے عیسائی دُنیا سے قطع تعلقی اختیار کر کے جنگلوں میں جا بسے۔

قرونِ اولیٰ، تاریک دور کا پہلا حصہ:(Period of darkness:1)

عیسائیت کی تاریخ میں 590ء سے 800ء تک کا زمانہ قرونِ اولیٰ کہلاتا ہے۔اِس دور کو تاریکی کا دور اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں اسلام کے عروج کی وجہ سے عیسائیت کو پورے ایشیا اور افریقہ سے پسپا ہونا پڑا۔

قرونِ وسطیٰ۔تاریکی کا دوسرا دور:(Period of darkness:2)

یہ زمانہ 800ء(184ھ) سے 1521ء(928ھ) تک ہے۔ اِس دور میں پوپ کے لامحدود اختیارات نے بادشاہوں کو پوپ کا حریف بنا دیا اور مذہب وسیاست میں کشمکش شروع ہوگئی جو تقریباً سات سو سال تک چلتی رہی۔ پادریوں کی اشتعال انگیزی ہی کی وجہ سے اِس دور میں صلیبی جنگیں برپا ہوئیں۔ پادریوں کے اِس کردار سے متنفر ہو کر یورپی اُمراء اور حکام میں کلیسا سے بغاوت کا ذہن عام ہوا اور بادشاہوں نے پوپ کے اِختیارات کم کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔

جان ہس اور جیروم کی اِصلاحی کوششیں:

اِس دوران کئی پادری کلیسا کا نظام بدلنے اور مذہب کو نئے اُصولوں پر تشکیل دینے کی تدبیریں سوچنے لگے تھے۔اِن میں جان وائیکلف، جان ہس اور جیروم کے نام نمایاں ہیں۔جان وائیکلف نے پہلی بار بائبل کا لاطینی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کیا، جان ہس اور جیروم نے بھی کیتھولک چرچ کے کئی اُصولوں کا انکار کیا اور نئی تعلیمات پیش کیں۔مگر ان کی کوششیں ان کی زندگی میں بارآور نہ ہوسکیں۔

تحریک اصلاحِ مذہب:(Reformation)

تحریک اصلاحِ مذہب کا سب سے بڑا قائد مارٹن لوتھر تھا جو پروٹسٹنٹ مذہب کا بانی بھی ہے، اُس نے روایتی مذہبی معتقدات کے خلاف بغاوت کر دی اور تحریک اصلاح

مذہب کا آغاز کیا جسے ''ریفارمیشن'' کہا جاتا ہے۔ اِس کے لغوی معنی ''اصلاح'' کے ہیں۔ لوتھر نے پادریوں کی جانب سے معافی ناموں کی فروخت پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ معافی کا اختیار صرف خدا کو ہے۔ اُس نے عوام کو حق دیا کہ وہ خود بائبل پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ انہیں پادریوں کی تفسیر کی ضرورت نہیں۔ لوتھر کے حامیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ کر 1529ء میں پوپ نے ہار مان لی اور طے پایا کہ ہر حکمران اَپنے ملک میں اپنی پسند کے مذہب کو فروغ دے سکتا ہے۔ اِس کے بعد یورپ میں ''رومن چرچ'' کے مقابلے میں ''پروٹسٹنٹ چرچ'' بھی قائم ہو گیا۔

عقلیت پسندی کا دور:

مارٹن لوتھر نے پہلی بار بائبل کی تفہیم اور تشریح میں اَپنے پیشروؤں سے اِختلاف کی جرأت کی تھی جو بظاہر ایک مثبت کوشش تھی مگر اُس نے بائبل پڑھنے اور سمجھنے کا حق عوام کو دے کر آزادی وخودرائی کا ایک دروازہ کھول دیا تھا کیوں کہ اِس طرح حلال وحرام کا فیصلہ کرنے کا اختیار اہل علم کی جگہ عام آدمی کی عقل کو مل گیا اور یوں عقل کو مذہبی علم پر فوقیت حاصل ہو گئی اور عقلیت پسندی کا دور شروع ہوا جو حقیقت میں الحاد کا دور تھا۔

ولیم شلنگ ورتھ، لارڈ ہربرٹ اور وولٹائر جیسے آزاد خیال مفکرین نے سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں عقلیت پسندی کو یورپ کا مقبول ترین نظریۂ حیات بنا دیا اور مذہب پس پشت چلا گیا۔

تحریک تجدّد: (Modrenism)

''عقلیت پسندی'' کے مضرات دیکھتے ہوئے بعض دانش وروں نے ایک درمیانی راستہ اختیار کیا اور مذہب کو پس پشت ڈالنے کی بجائے اِس میں جدّت پر زور دیا۔ اِن کا خیال تھا کہ بائبل کو ترک کرنے کی بجائے اِسے جدید علوم کی روشنی میں پڑھا جائے اور

اِس کے معانی کو جدید تقاضوں کے مطابق بنایا جائے۔

جوابی تحریک (Counter Reformation)

کیتھولک چرچ کی جڑیں کھوکھلی ہوتے دیکھ کر پوپ پال چہارم نے ریفارمیشن تحریک کا جواب دینے اور کیتھولک چرچ کی اصلاح اور تنظیمِ نو کی مہم شروع کی۔ اِس کوشش کو ''جوابی تحریک'' کا نام دیا جاتا ہے۔

یسوعی تحریک:

اسپین کا ایک جنگجو نواب ''اگنائیش لائیلا'' کیتھولک چرچ کی خاطر کچھ کرنے کا جذبہ رکھتا تھا۔ اِس جذبے کے تحت اُس نے اپنے چند ہم خیال ساتھیوں کے ساتھ ۱۵۳۴ء میں ''یسوعی فرقے'' کی بنیاد رکھی جس کا مقصد زہد وفقر کے اظہار کے ساتھ، عیسائیت کی تعلیم اور تبلیغ کا کام کرنا تھا۔ اِسی سے '' التنصیر '' کی تحریک کا آغاز ہوا۔

تحریکِ احیائے مذہبِ قدیم:

عقلیت پسندی اور تجدّد کی تحریکوں کے ردّعمل میں اُنیسویں صدی میں بہت سے پادریوں نے خالص قدیم مذہبی عقائد واَقدار کی حمایت شروع کی۔ اِسے ''اِحیائے مذہبِ قدیم کی تحریک'' کہا جاتا ہے۔

اکیسویں صدی میں عیسوی کلیسا:

اِس وقت دُنیائے نصرانیت میں عقلیت پسند، جدّت پسند اور قدامت پسند تینوں ہی میدان میں موجود ہیں اور اپنے اپنے حلقۂ اثر کو بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر تینوں ہنوز سچائی سے بہت دُور ہیں۔ سچائی اور حقیقت اِنہیں صرف اسلام کے دروازے پر آنے سے مل سکتی ہے جو دُنیا کا واحد سچا مذہب ہے۔

☆☆☆☆

نظریات

مادّی فلسفے کا حملہ

فلسفے نے عیسائیت کے ساتھ مل کر موجودہ دور کی اکثر نظریاتی گمراہیوں کو پیدا کیا ہے اس لیے تنقیدی نگاہ سے فلسفۂ یونان کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

فلسفے کی تعریف:

''فلسفہ''(Philosophy) کے لغوی معنی ہیں''حکمت سے محبت رکھنا۔''

اِصطلاحی تعریف یہ ہے:''فلسفہ وہ علم ہے جس سے موجودات کے حقیقی اَحوال معلوم ہوں۔''

فلسفے کا مقصد عقائد، اَخلاق، شہری زندگی، سیاست اور طبعی علوم میں انسان کی رہنمائی کرنا ہے۔ فلسفے کا سارا مدار عقل پر رہا ہے۔ اس نے کبھی وحی سے مدد لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ فلسفہ نہ صرف خیر وشر کا معیار خود قائم کرتا ہے بلکہ مابعد الطبعیات (غیب) کے بارے میں بھی وہ خود ہی صحیح یا غلط کے فیصلے کرتا ہے۔

فلسفے کی تاریخ

اَپنی ابتدا سے لیے کر اَب تک فلسفہ سات اَدوار سے گزر چکا ہے۔ جبکہ آٹھواں دَور اَب جاری ہے۔ (1) یونانی دور: سات صدی قبل اَز مسیح (2) رومی دور: پہلی صدی عیسوی تا پانچویں صدی عیسوی (3) عیسوی دور یا ازمنۂ وسطیٰ (پانچویں صدی عیسوی تا پندرہویں صدی عیسوی) (4) اِحیائے علوم کا دور۔ اصلاحِ مذہب کی تحریک (پروٹسٹنٹ مذہب) پندرہویں صدی عیسوی کا وسط۔ (5) خالص عقلیت کا دور: وسطِ سترہویں صدی تا اٹھارہویں صدی کے اختتام تک۔ (6) صنعتی انقلاب کا دور۔ 1801ء سے پہلی جنگ

عظیم کے اختتام تک۔(7) جھوٹے اَدیان کی ایجاد کا دور۔پہلی جنگ عظیم کے خاتمے سے 1990ء تک۔(8) عالم اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے آثار اور اکیسویں صدی۔

☆

(1) یونانی دور

یونان کو فلسفے کا گہوارہ مانا جاتا ہے۔عہدِ قدیم میں یہاں لوگوں کے اَذہان پر دیوی دیوتاؤں کی اِجارہ داری تھی۔سات صدی قبل اَز مسیح یہاں حکماء کا ظہور ہوا جو فلسفۂ یونان کے بانی تھے۔اِنہیں حکمائے متقدمین کہا جاتا ہے جن میں فیثاغورث (۴۳۶ق م) اور اس کا شاگرد بقراط (۴۶۹ق م۔۳۵۹ق م) بہت مشہور ہیں۔

چوتھی صدی قبل مسیح میں فلسفہ اتنا غالب آ گیا کہ دیو مالائی ازم کی اہمیت کم ہونے لگی۔اِس دور کے فلسفیوں کو حکمائے متاخرین کہا جاتا ہے۔یہ یونانی فلسفے کے عروج کا دور تھا۔سقراط، افلاطون اور ارسطو اِس دور کے نامور فلاسفہ ہیں۔انہیں فلاسفہ مشائیہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ چل پھر کر سبق پڑھاتے تھے۔فلاسفہ کا دوسرا نامور گروہ اشراقیہ ہے جو اسکندریہ سے تعلق رکھتا ہے۔یہ مراقبے اور گیان دھیان کے عادی تھے۔تیسرا گروہ سُفسطائیہ ہے جو اشیاء کے حقائق کا انکار کرتا تھا، اس کے نظریات کی بنیاد وہم پر تھی۔

فلسفیوں کی گمراہیاں:

''وحی'' سے محروم رہ کر حکمائے یونان گمراہیوں کی اِنتہاء کو پہنچ گئے تھے۔عقائد میں جہالت کا یہ حال تھا کہ وہ توحید کی حقیقت سے ناواقف تھے۔اللہ کی صفات اور پاکی سے لاعلم تھے۔مادّے کو اَزلی واَبدی مانتے تھے۔اُنہوں نے عقول عشرہ کا تصور دیوی دیوتاؤں سے اَخذ کیا اور اِسے خالق تعالیٰ پر تھوپ دیا۔

فلاسفہ نے جو طرزِ حیات تجویز کیا اِس کا سارا زور فانی دُنیا پر تھا۔وہ کبھی یہ نہیں سوچتے

تھے کہ ہم کیسے اور کس مقصد کے لیے پیدا ہوئے؟ پیدا کرنے والا کون ہے؟ ہم کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جانا ہے۔ جب مبداء و معاد فراموش ہو گئے اور انسانی معاشرہ ہی توجہ کا مرکز بن گیا تو یہاں سے انسانیت پرستی کی سوچ نے جنم لیا، اور ہر مسئلہ پر صرف انسان کے دُنیاوی مفاد کے نقطۂ نظر سے غور ہونے لگا۔ اِسی سے بعد میں پندرہویں اور سولہویں صدی میں ''انسانیت پرستی'' (Humanism) کی تحریک کا آغاز ہوا۔

اَخلاقیات میں خوش کلامی، خوش اَطواری، اَدب وتہذیب اور اچھے انداز و اطوار ہی کو کمال سمجھ لیا گیا۔ کبر، حسد، نفاق، حبِّ دُنیا اور حبِّ مال و جاہ جو قلب کی تمام بیماریوں کی بنیاد ہیں اِن کی سمجھ سے باہر رہے۔ یونانی معاشرے کی سوچ کا محور یہ تھا کہ عدل وانصاف، حسن و جمال اور تمام خوبیوں پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کا واحد ذریعہ انسانی عقل کی تدبیر اور اس کا صحیح استعمال ہے۔ اس معاشرے میں برہنہ جسم کو حسن کامل مانا جاتا تھا اور فحاشی و بے حیائی عروج پر تھی۔

(2) رومی دور

فلسفے کا دوسرا دور وہ ہے جب رومی یورپ کی سب سے بڑی طاقت بن کر چھا گئے اور یونان کے ایشیائی مقبوضات پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔ یہ زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے 64 برس قبل سے شروع ہو کر تیسری صدی عیسوی تک چلتا ہے۔ رومی چونکہ پیشہ ور فوجی اور تلوار کے دھنی تھے اس لیے اس دور میں یونانیوں کی طرح حسن و جمال کی پرستش عام نہ رہی بلکہ طاقت کو اَصل چیز سمجھا جانے لگا۔ طاقت کے اِسی نشے نے خدا سے مناجات اور تعلق کو بے کار قرار دے دیا۔ طاقت اور قوت میں اضافے کے لیے رومی سلطنت میں وطنیت کا پرچار کیا گیا اور اِسے رعایا کے اتحاد اور مملکت کی قوت کا ذریعہ بنایا گیا۔

(3) ازمنۂ وسطیٰ: عیسوی دور

سلطنتِ روما کے زوال سے تحریک اِحیائے علوم تک ایک ہزار سال کے عرصے کو قرون وسطیٰ یا تاریک دور کہا جاتا ہے۔ اِس دوران فلسفے کی تعلیم پس پشت چلی گئی اور مذہبی علم ہی قدر و منزلت کا ذریعہ قرار پایا۔

(4) تحریک احیائے علوم یا نشأۃ ثانیہ کا دور (Renaissance)

یہ تحریک قرون وسطیٰ کے ''تاریک دور'' کا اختتام اور ایک نئے دور کا آغاز تھی جس میں انسان نے مذہب سے چھٹکارا حاصل کر کے اپنی خواہشات کے لیے ہر ممکن آزادی پانے کی کوشش کی۔ اِس تحریک کے کئی عوامل تھے مثلاً صلیبی جنگوں میں عیسائیت کی شکست، عیسائی مذہب کی اپنی کمزوریاں، یہ احساس کہ عیسائیت معاشرے کی صحیح رہنمائی کرنے سے قاصر ہے، پادریوں کی بدعنوانی و بدکرداری، یورپ میں اسلامی دُنیا کے عقلی علوم کی طرف رجوع، آکسفورڈ اور کیمبرج جیسے اِداروں کا قیام۔ سب سے بڑا سبب ۱۴۵۳ء میں ترکوں کے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے بعد وہاں آباد یونانی علماء اور فلاسفر کی یورپ میں نقل مکانی تھا۔ اِن فلاسفہ کے اَثرات کی وجہ سے ایک صدی کے اندر اندر یورپ میں دوبارہ یونانی اَفکار غالب آگئے۔ اِحیائے علوم اور ''نشأۃ ثانیہ'' کی اِس تحریک نے مذہبی علوم کو معاشرے کے لیے بے فائدہ قرار دے دیا اور اِن کی جگہ عقلیت پسندی اور انسان پرستی کو اختیار کیا جس کی دعوت یونانی فلسفہ دیتا ہے۔

(5) عقلیت پرستی کا دور (Rationalism)

مغربی فلسفے کا پانچواں دور سترہویں صدی کے اَواخر سے لے کر 1775ء تک چلا۔ اِس دور میں فلسفہ یونانی فلسفیوں کی تقلید سے بھی آزاد ہوگیا۔ عقلیت پسندی کے سب سے نامور علمبردار ''ڈیکارٹ'' (۱۵۹۶ء تا ۱۶۵۰ء) نے فطرت یا خدا کی قدرت کو ایک مشین

قرار دیا اور اُس کی روحانی حیثیت کا انکار کیا۔ ڈیکارٹ کا سب سے بڑا گمراہ کن نظریہ یہ تھا ’’کہ انسان کے لیے اپنی ذات کے سوا کائنات کی ہر شے میں شک وشبہے کی گنجائش ہے۔‘‘

عقلیت پسندی کے اگلے مرحلے میں صداقت یا حق کے وجود سے ہی انکار کر دیا گیا۔ فرانس کے مفکر (Montaigne) ’’مون ٹین‘‘ نے کہا کہ بچپن میں مجھے ککڑی بہت پسند تھی، مگر اَب پسند نہیں آتی، اِس مثال سے اُس نے سمجھایا کہ حق یا صداقت کوئی پختہ اور مستقل چیز نہیں، بلکہ یہ ایک نسبتی شے ہے جو وقت اومقام کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

اُٹھارہویں صدی کے انگریز فلسفی ’’ہیوم‘‘ (۱۷۱۱ء تا ۱۷۷٦ء) نے تمام مذہبی معتقدات کو اِس بناء پر مسترد کر دیا کہ انہیں نہ تو کسی سائنسی لیبارٹری میں ٹیسٹ کیا جاسکتا ہے، نہ وہ عقلی پیمانے پر پورے اُترتے ہیں۔

تحریک اِحیائے علوم اور خالص عقلیت پسندی پر مبنی فلسفے نے مغربی دُنیا میں مذہب اور سیاست دونوں کو بہت متاثر کیا۔ مذہبی سطح پر سب سے بڑی یہ تبدیلی آئی کہ اصلاح مذہب کی تحریک شروع ہوگئی جس نے کلیسا کی بالادستی ختم کر دی۔

سیاست میں یہ تبدیلی آئی کہ بادشاہ پوپ کی عالمگیر مذہبی حکومت سے نکل کر آزاد ہوگئے۔ قومی حکومتیں وجود میں آئیں اور وطنی تعصب زندہ ہوا۔ اٹلی کے مشہور مفکر ’’میکاولی‘‘ (۱۴٦۹ء تا ۱۵۳۲ء) نے سیاست کے نئے اُصول پیش کرتے ہوئے بادشاہوں کے لیے دھوکہ بازی اور مکروفریب کو لازمی اور بادشاہ کی ذات کو ہر باز پرس سے بالاتر قرار دیا۔

(6) چھٹا دور: صنعتی اِنقلاب کا دور

اُنیسویں صدی میں صنعتی اِنقلاب اور مشینی ایجادات نے آخرت کے منکروں کو جیتے جی جنت میں پہنچا دیا۔ یہ سب طبعی سائنس پر دیوانہ وار محنت کا نتیجہ تھا۔ اِس اقتصادی ترقی نے معاشرے کو بے شمار نئے مسائل سے دوچار کیا جن کو حل کرنے کے لیے نئے معاشرتی

اور سیاسی تصورات اور نظام پیش کیے گئے۔

(7) بیسویں صدی: نفاق اور جھوٹے اَدیان کا دور

یہ نفاق ،جھوٹے اَدیان اور جھوٹی روایتوں کی صدی ثابت ہوئی ،اِس میں مختلف رجحانات اور اَفکار کسی قسم کی درجہ بندی کے بغیر نظر آتے ہیں اور باہمی تضادات کے باوجود بیک وقت موجود رہے۔لوگ نظریاتی اَدل بدل کے عادی ہو گئے۔دو بالکل مختلف اطراف میں بھی کام کرنا ایک عام بات بن گیا۔اِس صدی کے دو مشہور فلسفے یہ ہیں:

☆ **فلسفہ عملیت (Pragmatism)...... :**

اِس نظریے کے مطابق ''کوئی خیال یا نظریہ بذاتِ خود صحیح یا غلط نہیں ہوتا، بلکہ ہر خیال کی قدر و قیمت کا فیصلہ عملی یعنی مادی زندگی میں اِس کے اَثرات اور نتائج دیکھ کر کیا جائے گا؟

منطقی ثبوتیت (Logical Positivism):

اِس کا حاصل یہ ہے کہ'' اسم کسی چیز پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ ہر لفظ اور جملہ کسی مخصوص حالت (Situation) میں بولا جاتا ہے، چنانچہ جملے میں معنی ڈھونڈنے کے بجائے ہمیں اِس حالت کا تجزیہ کرنا چاہیے جس میں یہ جملہ بولا گیا ہے۔''

منطقی ثبوتیت کے قائلین کا کہنا ہے کہ جملے سے کچھ ثابت نہیں ہوسکتا جب تک کہ اِس کا پس منظر نہ دیکھا جائے۔مقصود یہ ہے کہ خدا، رسول، آخرت اور روح جیسے اَلفاظ کو ایک خاص صورتحال کا ردِّعمل مانا جائے۔اِنہیں سچا کہا جائے نہ جھوٹا۔کبھی وہ بامعنیٰ تھے، اَب بے معنی ہو چکے ہیں۔

☆☆

(8) اسلام کی نشأۃ ثانیہ۔ اکیسویں صدی

اِس دور میں باقی تمام چیزیں اَفکار و خیالات اور رجحانات بیسویں صدی کے سے ہیں۔ البتہ فرق یہ آیا ہے کہ 1980ء کے جہادِ افغانستان، سوویت یونین کی شکست وریخت، کمیونزم کی ناکامی، نیو ورلڈ آرڈر کے اعلان اور اِس کو مسلط کرنے کے لیے عالم اسلام پر امریکی یلغار کے بعد...... ایک طرف ''اِسلامی نظریے'' کی پائیداری اور دوسری طرف مغربی اَفکار کی بے وزنی ثابت ہوگئی ہے۔ عالم اسلام طرح طرح کی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد بھی حوصلہ مند ہے اور مغرب تمام تر وسائل جھونک کر بھی ہنوز کامیابی سے دُور ہے۔

☆☆☆

مغرب کے تیار کردہ متبادل نظامِ زندگی

فلسفے کے مختلف اَدوار اور اِن میں اُبھرنے والے نظریات سے مغرب میں تین بڑی تحریکیں نمودار ہوئیں جن کا مدار خالص عقلیت پسندی اور مادّہ پرستی پر تھا۔

(۱) ہیومنزم یا انسان پرستی (۲) تحریکِ تنویر (۳) رومانویت

(۱) انسان پرستی: (Humanism)

ہیومنزم (انسان پرستی) نے تحریک اِحیائے علوم کے ساتھ ساتھ جنم لیا تھا۔ ہزاروں برس سے یہ حقیقت مسلّمہ تھی کہ اولادِ آدم نوع کے لحاظ سے ''انسان'' ہے۔ اور کائنات میں اس کی حیثیت ''بندے'' کی ہے۔ مگر ہیومنزم کی تحریک نے انسان کے بندہ ہونے کی حیثیت کا انکار کرتے ہوئے اسے ''آزاد فرد'' کا مقام دیا۔ انسان پرستی کا معنیٰ ہے کائنات میں موجود چیزوں میں انسان کو سب سے اہم سمجھنا۔ اور ہر بات پر انسان کے نقطۂ نظر سے غور کرنا۔

(۲) تحریکِ تنویر (Enlightenmaent Movement)

انسائکلو پیڈیا برٹانیکا میں ''تحریکِ تنویر'' کی درج تعریف کا خلاصہ یہ ہے:

''یہ سترھویں اور اٹھارھویں صدی کی ایک یورپی علمی تحریک ہے جس میں خدا، عقل، فطرت اور انسان سے متعلقہ نظریات کو ایک وسیع دُنیاوی نقطۂ نظر کے ساتھ اس طرح پیش کرتا ہے جو آرٹ، فلسفے اور سیاسیات میں اِنقلابی ترقی کا باعث ہو۔ ''تحریکِ تنویر'' کے نظریات کے مطابق جو آدمی کائنات کو سمجھنا اور اپنی حالت کو بہتر بنانا چاہتا ہے وہ عقل پر انحصار کرے۔ عقلیت پسند انسان، معلومات، آزادی اور خوشی کے حصول کی کوشش کرتا رہتا ہے۔''

''تحریکِ تنویر'' کے نزدیک انسانی عقل تین ذرائع استعمال کر کے اصل حقائق تک پہنچ سکتی ہے۔ وہ ذرائع ہیں: استقراء، استخراج اور وجدان۔

استقراء کا معنیٰ ہے جزئیات کے مشاہدے کے ذریعے کوئی قانون اَخذ کرنا۔ استخراج کا مطلب ہے ایک قاعدہ کلیہ سوچ کر اُسے جزئیات پر منطبق کر کے حقیقت کا پتا چلانا۔ وجدان کا مطلب طبعی احساسات کے ذریعے کسی شے کے اچھے برے ہونے کا فیصلہ کرنا۔ پس مذہبی رہنمائی کی قطعاً ضرورت نہیں رہ جاتی۔

(۳) رومانویت (Romanticism)

انسائکلو پیڈیا برٹانیکا میں رومانویت کی تعریف اِس طرح کی گئی ہے:

''یہ اٹھارہویں سے اورانیسویں صدی کے وسط تک مغربی معاشرے کو متاثر کرنے والا ایک علمی رجحان ہے جس نے اَدب، مصوری، موسیقی، فن تعمیر، تنقیداور تاریخ نویسی پر گہرے اَثرات چھوڑے۔''

''تحریک رومانیت'' بھی حواس خمسہ، عقل اور وجدان کو علم کا اَصل ذریعہ سمجھتی تھی اور کسی خارجی ذریعہ علم کی قائل نہیں تھی۔

☆

اِن تحریکوں کے اَثر سے یہ طے ہو چکا تھا کہ انسان کی خواہش اور پسند ہی اچھے برے کا معیار ہے اِس لیے ایک آئیڈیل معاشرہ تشکیل دینے کے لیے بھی انسانی خواہش ہی کو محور بنایا گیا۔ یہ بھی تسلیم کر لیا گیا کہ انسان کی سب سے بڑی خواہش آزادی ہے، یعنی انسان جو کچھ چاہے اِسے حاصل کر سکے۔ انسان کی ترقی بھی اِسی آزادی پر موقوف ہے۔ اب رہی یہ بات کہ انسان کی آزادی کس حد تک ہو اور کس انداز کی ہو؟ اس بارے میں مفکرین اور فلاسفروں میں اختلاف ہوا، اس طرح کئی نظامِ زندگی اختراع کیے گئے جن میں سیکولرازم، لبرل ازم اور کمیونٹیرین ازم زیادہ اہم ہیں۔ یہ سب نظام اِس بات پر متفق تھے کہ ''آزادیٔ فرد'' افضل ترین مقصد ہے تاکہ انسان جو چاہے وہ حاصل کر سکے۔ اِسی طرح یہ تینوں مذہب کے انکار، خالص عقلیت پسندی اور انسان پرستی پر بھی متفق ہیں۔ بس طریقہ

کار میں اختلاف تھا۔

اَب ہم ان اَزموں کا مرحلہ وار جائزہ لیں گے۔

سیکولرازم:

سیکولرازم انسانی زندگی کو دو الگ الگ حصوں میں بانٹتا ہے۔ذاتی زندگی، سماجی زندگی۔ ذاتی زندگی میں انسان مذہب پر عمل کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ دوسرا حصہ سماجی زندگی کا ہے، اِس میں مذہب کی مداخلت بالکل نہیں ہوگی بلکہ عقل بالاتر رہے گی۔

لبرل ازم:

لبرل ازم تین اُصولوں پر قائم ہے۔ (۱) آزادی (۲) مساوات (۳) عدل

آزادی کا مطلب یہ ہے کہ ہرانسان اپنی آزادی اور من مانی کا انفرادی طور پر اظہار کرسکتا ہے۔مگر چونکہ اِس قدر آزادی سے دوسروں کی زندگی میں خلل پڑسکتا ہے اِس لیے زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کرلیا جائے۔ پبلک لائف اور پرائیویٹ لائف۔ پبلک لائف میں انسان ضروری معاشرتی پابندیوں کا لحاظ کرے اور پرائیویٹ لائف جو چاہے کرے۔ شراب پیئے، بدفعلی کرے یا خدا کی عبادت کرے اُس کی مرضی۔

مساوات سے مراد یہ ہے کہ تمام انسان قانونی اور سیاسی طور پر برابر ہیں۔قانونی طور پر اس طرح کہ قانون ہر شخص کو نجی زندگی میں کچھ بھی کرنے کی اِجازت دیتا ہے۔سیاسی طور پر مساوات اِس طرح ہے کہ ہر شخص کا ووٹ برابر ہے۔

لبرل ازم میں عدل کے تصور سے مراد یہ ہے کہ ہرانسان کے اَہداف کو معاشرے میں یکساں احترام حاصل ہوگا چاہے وہ شفاخانہ قائم کرنے کا ہدف ہو یا قحبہ خانہ کھولنے کا۔

کمیونیٹیرین ازم:

اس کے بانی روسو، ہیگل اور مارکس تھے۔اِن کے نزدیک ہرانسان انفرادی طور خیر اور

شر کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں رکھتا بلکہ اِس کا فیصلہ انسانوں کی مجموعی اَغراض کو دیکھ کر کرنا چاہیے۔اِس طرح کمیونٹیرین ازم سے انسان کی آزادی کا اجتماعی تصور پیدا ہوا۔

آگے چل کر یہ نظریہ کئی شاخوں میں بٹ گیا۔جن میں سے دو اہم ترین ہیں:

(۱)قوم پرستی(Nationalism)

(۲)اشتراکیت (Socialism)

قوم پرستی یہ کہتی ہے کہ انسانوں کو اپنی اجتماعی آزادی کا اظہار قومی حیثیت سے کرنا چاہیے۔

اَب چونکہ قومیں کبھی نسلی بنیاد پر بنتی ہیں اور کبھی وطنی بنیاد پر۔اِس لیے قوم پرستی کی دو شکلیں بن گئیں۔

(۱)وطنی قوم پرستی(Civil Grounded Nationalism)

اِس نظریے میں لوگ کسی ریاست کے شہری ہونے کی حیثیت سے ایک قوم شمار ہوتے ہیں۔اِن کا مقصد اپنی قوم کے لیے زیادہ سے زیادہ آزادی، قوّت اور وسائل جمع کرنا ہوتا ہے۔

(۲)نسلی قوم پرستی (Ethical/Racial ground Nationalism)

اِس نظریے میں لوگ کسی ایک نسل سے تعلق کی بناء پر ایک قوم مانے جاتے ہیں۔

گزشتہ صدی میں ہٹلر کا نازی ازم قوم پرستی کا علمبردار تھا اور مسولینی کا فاشزم وطن پرستی کا علمبردار تھا۔

اشتراکیت: سوشلزم (Socialism)

اشتراکیت یہ کہتی ہے کہ انسانوں کا اصل نمائندہ طبقہ مزدور لوگ ہیں۔اِنہی کی اَغراض اور خواہشات کو انسانوں کی اَغراض مان کر معاشرے کا نظام بنایا اور چلایا جائے۔

اِشتراکیت اور قوم پرستی کی تمام قسمیں ،کمیونیٹیرین ازم کی شاخیں ہیں۔ جبکہ لبرل ازم کمیونیٹیرین ازم کا بھائی ہے۔ یہ نظریات اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے کیوں کہ اِن کا مقصد صرف دُنیاداری، مفاد پرستی اور اِتباعِ ہویٰ ہے یہ نظام آزادی ، مساوات ،عدل اور ترقی کا جو معیار پیش کرتے ہیں اور اِس کے لیے جو راہ بتاتے ہیں اِس کا پہلا قدم ہی انسان کو مذہب سے منحرف کردیتا ہے۔

سرمایہ داری اور سوشلزم

سرمایہ داری (Capitalism)

سرمایہ داری لبرل ازم کی شاخ ہے جو خواہشات کی تکمیل کے لیے فرد کو زیادہ سے زیادہ آزادی اور اختیار دینے کی قائل ہے کیونکہ اِس کے نزدیک فرد بذاتِ خود خیر و شر کی تعیین کرسکتا ہے۔

سرمایہ دارنہ نظام کی تعریف یہ ہے:

''یہ ایک معاشی ،سیاسی اور معاشرتی نظام ہے ،جو جائداد، تجارت اور صنعت میں نجی ملکیت تسلیم کرتا ہے اور کامیاب تنظیموں اور لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ ممکنہ منافع کمانے کی راہ ہموار کرتا ہے۔''

سرمایہ داری کے تین اُصول ہیں:

(۱) مادّی مفاد اور حرص ہی انسانی فکر و عمل کا واحد محرک ہے (۲) مذہبی اَخلاقیات غیر ضروری ہیں (۳) اجتماعی مفاد کا دائرہ کار وسیع سے وسیع تر ہونا چاہیے۔

سرمایہ دارانہ معاشرے میں حکومت صنعتی وتجارتی اُمور میں کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ لوگوں میں وسائل پر زیادہ سے زیادہ قبضے کی دوڑ لگ جاتی ہے۔ چھوٹا سرمایہ دار بڑا سرمایہ دار بن جاتا ہے، سرمایہ داروں کی تنظیمیں بننے لگتی ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ نفعے کے لیے

غیر معمولی طور پر منظم اور وسعت پذیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہی چند افراد پوری قوم کی دولت پر قابض ہو جاتے ہیں، اَخلاقی اَقدار پامال ہو جاتی ہیں۔ گرانی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ امیر امیر سے امیر تر اور غریب غریب سے غریب تر ہوتا جاتا ہے۔

اشتراکیت: (Socialism)

اشتراکیت کمیونیٹیرین ازم کے بطن سے نکلی ہے جو خواہشات کی تکمیل کے لیے فرد کی جگہ معاشرے کو زیادہ سے زیادہ اختیار دینے کی حامی ہے کیونکہ اِن کے نزدیک فرد بذاتِ خود خیر و شر کی تعیین نہیں کرسکتا بلکہ یہ کام نوعِ انسانی ہی مجموعی طور پر انجام دے سکتی ہے۔

سوشلزم کی تعریف یہ ہے:

''سوشلزم ایک معاشرتی و اقتصادی نظریہ ہے جو ذاتی ملکیت یا زمین اور قدرتی وسائل کے کنٹرول کی بہ نسبت عوامی غلبے کی دعوت دیتا ہے۔''

اِشتراکیت کے نزدیک سرمایہ داری (Capital Ism) کی وجہ سے عوام دو طبقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ ایک طبقہ بورژوائی (Capitalist) ہے یعنی سرمایہ دار۔ اور دوسرا پرولتاری (Prolitariat) ہے یعنی محنت کش۔ سرمایہ دار طبقہ اپنے سرمائے کی قوت سے محنت کش طبقے کا استحصال (Expoloition) کرتا ہے۔ اشتراکیت اِس استحصال سے نجات کا راستہ بتاتی ہے۔

اِشتراکیت کا بانی ''کارل مارکس'' 1818ء میں جرمنی میں پیدا ہوا۔ وہ نسلاً یہودی تھا۔ اُس نے ایک نیا فلسفہ ''جدلی مادّیت'' پیش کیا جس میں معاشرے کے تمام تغیرات و اِنقلابات کی مادّی اور معاشی توجیہ پیش کی۔ اِس کا کہنا تھا کہ انسانی زندگی کا انحصار معیشت پر ہے۔ معاشی عوامل ہی مذہب، تہذیب، فلسفے، اَدب اور نظریات میں تبدیلیاں

لاتے ہیں۔

مارکس تاریخ کے مطالعے پر خاص زور دیتے ہوئے کہتا تھا کہ انسانی طبقات کی کشمکش کی تاریخ کا مطالعہ لازمی ہے۔ طبقات کی کشمکش ہی سے حق کی تعمیر ہوتی ہے اور اِس کشمکش کے مطالعے ہی سے حق کی پہچان ہو سکتی ہے۔ مارکس نظریہ تاریخ سے اپنا مشہور نظریہ یعنی نظریۂ طبقاتی نزاع (Class Struggle) بھی پیش کرتا ہے۔ جس کے مطابق ہر معاشی نظام جب ترقی کے ایک خاص مقام پر پہنچ جاتا ہے تو کچھ نئی قوتیں سامنے آتی ہیں جو معیشت کے پیداواری عمل میں شریک ہوتی ہیں۔ وہ مروجہ نظام کی طبقاتی تقسیم اور ملکیتی قوانین کو تبدیل کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں تاکہ انہیں آمدن سے زیادہ حصہ مل سکے۔ بالادست طبقہ اِس مطالبے کو نظر انداز کرتا ہے مگر زیرِ دست طبقہ اِس کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور یوں طبقاتی کشمکش جنم لیتی ہے۔ مارکس کا کہنا تھا کہ اِس کشمکش کے نتیجے میں معاشرے کی اَقدار تبدیل کرنے والے فیصلے طے پاتے ہیں۔ اِسی کشمکش سے آخر کار زیرِ دست طبقہ غالب آجاتا ہے اور بالادست طبقہ شکست کھا جاتا ہے۔

مارکس کے اِس فلسفے کو ایک دوسرے یہودی لیڈر لینن نے نافذ کر دکھایا، وہ ۱۹۱۷ء میں روسی بادشاہت کا تختہ اُلٹ کر ''کیمونسٹ اِنقلاب'' لانے میں کامیاب ہو گیا اور ایک لادینی حکومت قائم کی جو اسرائیل کی حامی اور مسلمانوں کی بدترین دشمن تھی۔

سوشلزم اور کیمونزم میں فرق:

☆ عموماً سوشلزم سے مراد ایک معاشی نظریہ ہوتا ہے۔ کیمونزم سے مراد عموماً ایک معاشی نظریہ بھی ہوتا ہے اور سیاسی تحریک بھی۔

☆ سوشلزم ایک اِبتدائی حالت ہے جس میں وقتی طور پر عوامی مفاد کے لیے ریاست کے کردار کو تسلیم کیا جاتا ہے اور تمام اختیارات اِسے دے دیے جاتے ہیں۔ کیمونزم، سوشلزم

کا انتہائی اسٹیج ہے جس میں ریاست کا کردار ختم ہو جاتا ہے اور براہِ راست مزدور طبقے کی بالادستی قائم ہو جاتی ہے۔

سوشلزم کے مبینہ مقاصد اور اصل مقصد:

اشتراکیت کے درج ذیل اہم مقاصد بیان کیے جاتے ہیں۔

(1) مزدور طبقہ کو سرمایہ دار کے استحصال سے نجات دلائی جائے۔

(2) امیر وغریب اور مالک ومزدور کی تقسیم کو ختم کر کے ایک غیر طبقاتی سماج وجود میں لایا جائے۔

(3) ضروریات زندگی، روٹی، کپڑا اور مکان ہر شخص کو مہیا ہوں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ تینوں مقاصد صرف ظاہری نعرے تھے۔ سوشلزم کا اصل مقصد انسان کی مذہب سے آزادی، خواہش پرستی اور یہودی کی بالادستی تھا۔ سوشلزم کے بانی اور تمام بڑے قائدین یہودی تھے جنہوں نے معاشی اِنقلاب کا دھوکا دے کر روس جیسے ملک کی حکومت حاصل کر لی۔

اسلامی سوشلزم:

اُٹھارہویں صدی میں کمیونسٹوں کا طریق کار یہ تھا کہ عوام میں اپنے معاشی نظام کو مقبول بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ پھر جو اِن کے پختہ کارکن بن جاتے انہیں لا مذہبیت اور دہریت کی طرف لے جاتے۔

مذہب کے بارے میں لینن کی اصل رائے تو یہ تھی:: ''نفسِ مذہب کے خلاف جنگ کرنا ہر اشتراکی کے لیے ضروری ہے۔ تاآنکہ دُنیا سے مذہب کا وجود ہی مٹ جائے۔'' (لیبر منتھلی دسمبر 1926ء)

مگر اسلامی ممالک کے اندر اشتراکیت کا جال پھیلانے کے لیے لینن نے یہ تجویز دی:

’’ہمیں اپنی تحریک چلانے کے لیے مشرق میں مذہب کے دروازے سے داخل ہونا چاہیے۔ (سوشلسٹ علماء کا کردار صفحہ 9)

چنانچہ کمیونسٹوں نے مسلم دُنیا میں دین کا نام لے کر اور اسلامی سوشلزم کی اِصطلاح اپنا کر لوگوں کو دین سے بیگانہ بنانا شروع کر دیا، وہ کہتے تھے: ’’اسلام وہ مذہب ہے جو معاشی مساوات کا علمبردار ہے۔ اسلام امیر اور غریب کا فرق مٹاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اہم ترین مقصد معاشی استحصال کو مٹانا تھا۔‘‘

اِس دعوت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ تصور قائم ہوتا ہے کہ اسلام بھی سوشلزم کی طرح ایک معاشی نظام اور سیاسی دستور ہے۔

خلاصۂ بحث:

سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کی منزل ایک ہی ہے، صرف راستہ مختلف ہے۔ دونوں ہی سرمایہ داری کی اَقسام ہیں۔ ایک ’’لبرل سرمایہ داری‘‘ اور دوسری ’’اشتراکی سرمایہ داری‘‘

اشتراکیت بھی سرمایہ داری کی طرح مادّی مفاد کو ہدفِ اوّلین مانتی اور روحانی ہدایت کو لایعنی قرار دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں نظاموں میں سے کوئی ایک بھی کسی طور مذہب کی بالادستی کو برداشت نہیں کرتا۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کا اصل کے اعتبار سے ایک ہونا مشاہدے سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ ان دونوں نظاموں نے جن تہذیبوں کو جنم دیا ہے ان میں قطعاً کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔

حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ دار اور اشتراکی حکومتیں دونوں یہود کے جال ہیں۔ یہ ڈاکوؤں کے دو گروہ ہیں جو اپنی اپنی لوٹ مار کی حدود طے کر چکے ہیں اور ان کے درمیان بقائے باہم کا اُصول قائم ہے۔ اِن کے اختلافات اور جھگڑوں کے پس پردہ بھی ایک گہری سازش کارفرما ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی قوم یا کوئی ریاست ایک نظام سے تنگ آ کر اس سے جان چھڑانا

چاہے تو دوسرا نظام اُسے فوراً اپنی گود میں لے لے۔اور یوں نجات کے متلاشی کو متبادل کے طور پر کوئی تیسرا نظام نصیب نہ ہو۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت کا مذکورہ بالا جائزہ اِس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ ایک نظامِ معیشت کی حیثیت سے بھی اسلامی معاشرے میں سرمایہ داری چل سکتی ہے نہ اشتراکیت۔یعنی اگر مسئلہ صرف اسلام کے معاشی نظام کو ترک کر کے کسی اور نظام کی حمایت کا ہوتا تب بھی یہ بدترین فسق وضلال ہوتا مگر یہاں اِس سے بڑا مسئلہ اِن نظامہائے معیشت کی مابعد الطبعیات اور ایمانیات کا بھی ہے جو کفرِ خالص کے سوا کچھ نہیں کیوں کہ یہ سراسر مادّی فلسفے کی پیداوار ہیں اور ان سے مذہب،وحی اور عبدیت کی مکمل طور پر نفی ہو جاتی ہے۔

لبرل ازم،سیکولرازم،سوشلزم اور دیگر تمام ازم مادّہ پرستی،نفس پرستی اور انسان پرستی کی پیداوار ہیں۔جن میں انسان کو بندہ کی بجائے آزاد فرد تسلیم کرلیا گیا،خواہشات اور ضروریات کا فرق مٹا دیا گیا۔اِسی خواہش پرستی کی وجہ سے اَفراد اور گروہوں کے درمیان وسائل پر قبضے کی اَندھی دوڑ جاری ہے اور معیشتِ عالم کا توازن بگڑ چکا ہے۔انسانیت کی نجات اِسی میں ہے کہ وہ اِن سب سے جان چھڑا کر اسلامی نظام کے سائے میں آجائے۔

☆☆☆

مراجع

☆ الغزو الفکری۔ (دراسات فی الثقافة الاسلامیة،لحنة المناهج)

☆ اسالیب الغزو الفکری۔علی محمدجریشه،محمدشریف الزیبق

☆ الغزو الفکری فی مناهج الدراسیة ۔استاذعلی لبن ،دارالوفاء،۱۹۹۲ء

☆ اخطار الغزو الفکری۔ڈاکٹرصابرطعیمه،عالم الکتب

☆ ہلال وصلیب کامعرکہ۔شفیق الاسلام فاروقی

☆ مغربی مستشرقین کے فکروفلسفہ کااثر: مقالہ ازمولاناسیدابوالحسن علی ندویؒ

☆ المستشرقون والاسلام:شیخ مصطفی السباعیؒ

☆ الاستشراق :موقع شبکة مشکوٰةالاسلامیة ،موسوعة الشاملة

☆ الاستشراق :مازن بن صلاح

☆ موسوعة الغزوالفکری:علی بن نایف الشحوذ

☆ ماذاخسرالعالم بانحطاط المسلمین:مولانا سیدابوالحسن علی ندویؒ

☆ بحث الاستعمارالحدیث:منقذالسقار

☆ الاستعماراحقادواطماع:محمدالغزالی

☆ العولمة:صالح الرقب

☆ گلوبلائزیشن اوراسلام: مولانایاسرندیم

☆ مغربی میڈیااوراس کے اثرات:مولانانذرالحفیظ ندوی

☆ اسلام اورجدیدتجارت ومعیشت:حضرت مفتی محمدتقی عثمانی مدظلہ

☆ المسلمون والعولمة:استاذمحمدقطب

☆ التنصیر مفهومه واهدافه ووسائله:علی بن ابراهیم الحمدالنملة

☆ التنصير تعريفه ،اهدافه و سائله:عبدالرحمن بن عبدالله الصالح

☆ مذكرة التنصير:شيخ سلمان بن فهدالعودة

☆ آخری صلیبی جنگ حصہ دوئم: عبدالرشید ارشد

☆ عہدِ مغلیہ میں انگریزوں کا جال: علامہ انور صابری

☆ بنگلہ دیش میں عیسائی مشنری سرگرمیاں: مولانا امین الحق محمودی

☆ مسیحیت پاکستان میں: ڈاکٹر نادر رضا صدیقی

☆ پاکستان میں عیسائیت کا احوال: ڈاکٹر نادر رضا صدیقی

☆ پاکستان میں عیسائیت کا فروغ: ڈاکٹر نادر رضا صدیقی

☆ پاکستان میں عیسائیت کا عروج: ڈاکٹر نادر رضا صدیقی

☆ اسلام کے خلاف عیسائیوں کے منصوبے: ڈاکٹر نادر رضا صدیقی

☆ العلمانيه: بندربن محمدالرباح

☆ العلمانيةنشأتها وتطورها: ڈاکٹرسفربن عبدالرحمن الحوالى

☆ العلمانية وثمارهاالخبيثة:محمدبن شاكر الشريف

☆ فکر کے ہمراہ ایک سفر: آفتاب احمد شمسی

☆ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا

☆ اُردو ڈائجسٹ ۲۰۰۳ء کے شمارے: ہندومت پر قاضی ذوالفقار احمد کے مضامین

☆ كتاب الهند:ابوریحان البيرونى

☆ ہندوؤں کا ہمدرد: امیر حمزہ

☆ ہندوضمیات: ڈاکٹر عبدالحق

☆ فکر کے ہمراہ ایک سفر: آفتاب احمد شمسی

☆ روس میں مسلمان قومیں: آبادشاہ پوری

☆ کمیونزم کا فتنہ: مولانا محمد اسحٰق صدیقی

☆ کمیونزم وسوشلزم کے سبز باغ: منشی عبدالرحمٰن خان

☆ سرمایہ دارانہ نظام: مولانا محمد احمد حافظ

☆ ماہنامہ ساحل: ۲۰۰۵ء کے مختلف شمارے

☆ دجال ۲: حضرت مفتی ابولبابہ شاہ منصور

☆ مغربی تہذیب کی گمراہیوں کا خاکہ: محمد حسن عسکری

☆ کیمبرج ڈکشنری

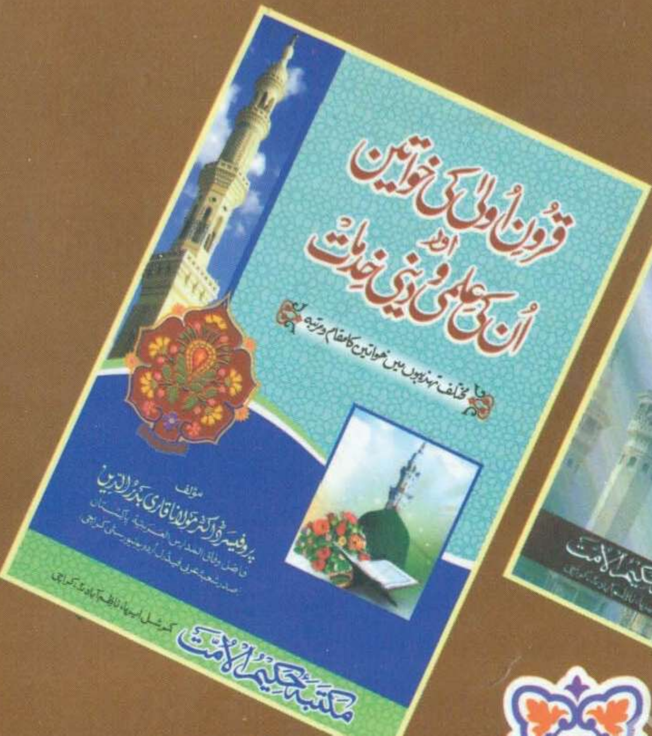
تمّت بالخیر بعونِ اللّٰہ تعالیٰ

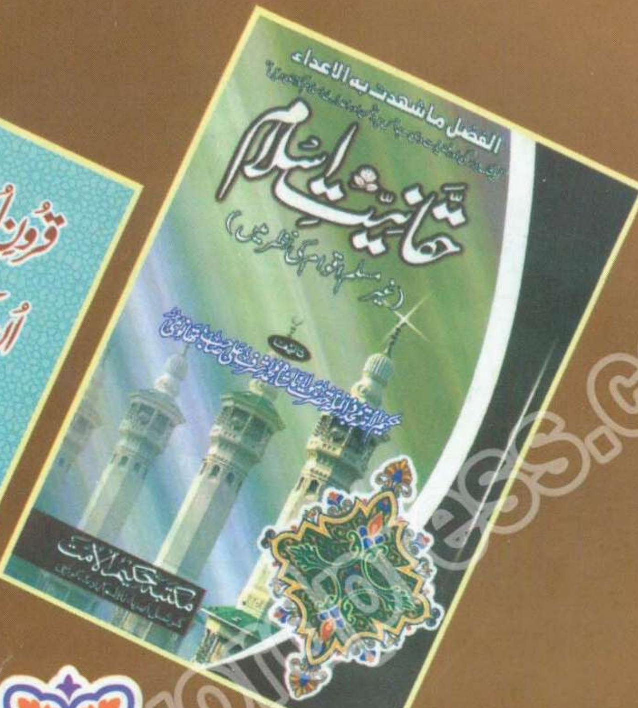
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا أَنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم

وَصَلَّى اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خَیرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ أجْمَعِيْن

بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرّٰحِمِيْن

☆☆☆









مکتبہ حکیم الامت

کمرشل ایریا، ناظم آباد ۲، کراچی

Karachi Ph: 021-32004126 Cell: 0333-2136180
Lahore Ph: 042-37232196 Cell: 0300-4003078
Email: mhakimulummat@hotmail.com